جلد 19 شمارہ 10 ماہ اکتوبر 2017ء محرم الحرام 1439ھ

واذکر اسم ربک وتبتل الیہ تبتیلا

صداقت

اللہ

محبت

سِلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پرواز مسلسل

ماہنامہ

فلاحِ آدمیت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف اور اغراض ومقاصد

- سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک روحانی تحریک ہے جس کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول، کثرت ذکر مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔
- کشف وکرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب وعرفان اور اس کی رضا ولقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔
- حضور ﷺ کے اصحاب کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج ہے۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ اور نفرت، حسد وبغض، تجسّس وغیبت اور ہوا وہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم ورضا عالمگیر محبّت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا ہے۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا۔تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل وعیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح وخدمت کے کام کو آگے بڑھانا اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبّت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔

ماہنامہ

فلاحِ آدمیّت

گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

بیاد
خواجہ عبدالحکیم انصاری رحمۃ اللہ علیہ
بانی سلسلہ

محمد صدیق ڈار رحمۃ اللہ علیہ
بانی مجلّہ فلاح آدمیت

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ
مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ) وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
Ph: 055-3411030 ای میل: info@tauheediyah.com
Website www.tauheediyah.com

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

قیمت شمارہ 30/- روپے

سالانہ فنڈ 300/- روپے

﴾اس شمارے میں﴿

مضمون	مصنف	صفحہ نمبر
حقوق العباد	خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ	1
نقوش مہر ووفا	سید رحمت اللہ شاہ	3
قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدیؒ کے خطوط	بنام سید رحمت اللہ شاہ	7
شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ	مولانا سید مودودیؒ	11
قرآن اور سائنس	ڈاکٹر حافظ حقانی میاں	23
گردوں کے فیل ہونے کے اسباب	حافظ محمد یٰسین	29
امر بالمعروف ونہی عن المنکر	ابواللیث سمرقندیؒ	33
آیئے ایمان کی فکر کیجئے	محمد اسحاق ملتانی	38
سچا ربؐ	آصف خورشید	43
امیدیں اور خواہشیں	شاہد زبیر	47
چھوٹا منہ بڑی بات	قدرت اللہ شہاب	52
سلاد کی افادیت واہمیت	ماجد محمود توحیدی	61

حقوق العباد

(خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ)

گھر: سے مراد خاوند بیوی اور ان کے بچے ہیں، خواہ وہ کسی محل میں رہتے ہوں یا جھونپڑی میں۔ دراصل گھر بنتا ہے ایک مرد اور ایک عورت کے ایسے معاہدے سے جس میں وہ اپنے مذہبی یا قومی دستور کے مطابق یہ عہد کریں کہ ہم میاں بیوی کی طرح اکٹھے رہیں گے۔ اس معاہدے کے معرض وجود میں آتے ہی دونوں پر کچھ فرائض عائد ہو جاتے ہیں۔ اب جس قدر وہ دونوں ان حقوق و فرائض کو بوجوہ احسن، خوبی اور تندہی سے انجام دیں گے، اسی قدر راحت و سکون سے رہیں گے اور یہ گھر جنت بن جائے گا۔ برخلاف ازیں جس قدر وہ ان حقوق و فرائض کی طرف سے روگردانی اور بے پروائی کریں گے، اتنی ہی زندگی مصیبت اور تکلیف سے کٹے گی اور یہی گھر ان کے لئے جہنم ہو جائے گا۔ ان میں کچھ حقوق و فرائض میاں بیوی دونوں پر مشترکہ حیثیت سے عائد ہوتے ہیں، اس لئے ہم پہلے انہی کا بیان کریں گے۔

1۔ دونوں کا سب سے پہلا اور سب سے اہم مشترکہ فرض یہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے کو پہلے ہی دن سے اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کریں اور اپنے مزاج اور عادتوں میں مناسب تغیر و تبدل کر کے ہم مزاج اور ہم خیال بن جائیں۔ یہ کام کتنا ہی مشکل نظر آئے آئندہ زندگی کو خوشگوار اور کامیاب بنانے کے لئے اس کو پایہ تکمیل تک پہنچانا اشد ضروری اور لازمی ہے۔ اس کام کو آسانی سے سرانجام دینے کے لئے ایک دوسرے کی چھوٹی چھوٹی فروگزاشتوں کو بالکل نظر انداز کر دینا اور بڑے بڑے اختلافات کو محبت اور پیار سے ایک دوسرے کو بتا دینا چاہئے۔ بتاتے وقت طبیعت میں غصہ اور انداز بیان میں درشتی اور شکایت کا شائبہ بھی نہیں ہونا چاہئے ورنہ اُلٹا اثر پڑے گا اور بنتا ہوا کام بگڑ جائے گا۔ بہتر یہ ہے کہ پہلے ہی دن دونوں آپس میں

سمجھوتہ کرلیں کہ جس کو بھی دوسرے کی کوئی بات ناگوار ہوگی صاف صاف بتادے گا، دل میں نہ رکھے گا، کیونکہ اس سے غلط فہمیاں پیدا ہوکر رائی کا پہاڑ بن جاتا ہے۔ اگر دو چار ماہ یہ عمل کیا جائے اور انتہائی صبر اور قوت برداشت سے کام لیا جائے تو زیادہ عرصہ نہ گزرے گا کہ گرہستی کی گاڑی زندگی کی شاہراہ پر فراٹے بھرنے لگے گی اور باقی عمر جو ممکن ہے پچاس ساٹھ برس سے بھی زیادہ ہو، بہت آرام و آسائش اور لطف و راحت سے بسر ہوگی۔ کس قدر احمق ہیں وہ لوگ جو شادی کے بعد ذرا ذرا سی شکایتوں اور بدگمانیوں کی وجہ سے اپنی زندگی کو تلخ اور اپنے جنت کدہ کو جہنم بنالیتے ہیں اور پھر الزام قسمت اور خدا کو دیتے ہیں۔

2:۔ جس مکان میں رہتے ہیں اس کو صاف ستھرا رکھنا اور اس کی مرمت لپائی پوتائی اور سفیدی وغیرہ کراتے رہنا، میاں بیوی دونوں کا مشترکہ فرض ہے، خواہ یہ صفائی وغیرہ نوکروں کے ذریعے کرائی جائے یا خود کرنی پڑے۔ عام طور پر مرد اس کو اپنے فرائض میں سے نہیں سمجھتے لیکن یہ ان کی غلطی ہے۔ میاں بیوی دونوں برابر حیثیت سے اس کے مکین ہیں اور اس لحاظ سے خاوند پر بھی اس مکان کا اتنا ہی حق ہے جتنا بیوی پر۔

3:۔ جو اولاد پیدا ہو اس کی پرورش، تربیت اور تعلیم کی ذمہ داری میاں بیوی دونوں ہی پر عائد ہوتی ہے دونوں کو آپس میں پوری دلچسپی لینی چاہیے اور اپنی حیثیت اور توفیق کے مطابق اس میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھنی چاہئے۔

4:۔ مکان میں خاوند یا بیوی کے جو رشتہ دار رہتے ہوں ان کی خاطر و خدمت دونوں کا مشترکہ فرض ہے۔ یہ ہرگز جائز نہیں اگر وہ لوگ خاوند کے رشتہ دار ہیں تو بیوی کو برا لگے اور اگر بیوی کے رشتہ دار ہیں تو خاوند کو ناگوار ہو۔

5:۔ مکان میں جو لوگ بطور مہمان آئیں ان کی خاطر تواضع بھی دونوں پر برابر فرض ہے۔ مہمان چاہے خاوند کے ہوں یا بیوی کے، دونوں کو ان کی مدارت برابر کرنی چاہئے۔ اس کے برخلاف کرنا شرافت کے خلاف ہے۔

نقوشِ مہر و وفا

(فرمودات قبلہ بابا جان محمد صدیق ڈار صاحب توحیدیؒ)

مرتب: سید رحمت اللہ شاہ

I

بابا جانؒ نے گکھڑ سے آنے والے بھائی سے حال احوال پوچھا۔ سردی کا موسم تھا تو ان سے پوچھا کہ گکھڑ میں بھی سردی ہے؟ انہوں نے کہا؛ جی ہاں! (بابا جانؒ نے) پوچھا کہ فصلیں بھی ادھر ہی ہیں۔ جواب ملا؛ جی ہاں! چار دن بعد دیکھیں بارش ہو تو کوئی کام چلے۔ بابا جانؒ نے کہا؛ چلو اچھا۔ اللہ کرے۔ مہمان نے کہا؛ بارش کی ضرورت ہے۔ بابا جانؒ فرمانے لگے: بارش کی ضرورت بھی ہے۔ خشک سردی ویسے بھی ۔۔۔ بچے بیمار۔ اللہ کرے بارش آجائے۔ دراصل جب ہم بگڑ جاتے ہیں تو پھر سارے موسم Out of time ہو جاتے ہیں۔ ہم اللہ کے ساتھ In time ہو جائیں تو پھر ساری چیزیں ٹائم سے ہی ہوں۔ حدیث میں ایک واقعہ لکھا ہوا ہے کہ ایک صحابی جا رہے تھے تو بادلوں سے آواز آئی کہ آج فلاں بندے کے کھیتوں کو سیراب کرنا ہے اور فلاں جگہ برسنا ہے۔ انہوں نے کہا کہ کمال ہے کہ بادلوں سے آواز آ رہی ہے کہ آج برسنا ہے اور فلاں کے کھیتوں کو پانی دینا ہے۔ وہ ساتھ ساتھ بادلوں کے چلتے رہے۔ ایک وادی آ گئی، وہاں بارش ہوئی۔ پانی اکٹھا ہو گیا اور ایک نالے میں چل پڑا۔ وہ (صحابی) بھی اس کے ساتھ چل پڑے کہ کون سا بندہ ہے کہ جس کے لئے اتنا اہتمام ہو رہا ہے، چلتے گئے۔ آگے بندہ کسّی لیے ہوئے کھڑا تھا ایک اور اپنے کھیت کا راستہ پانی کے لئے صاف کر رہا تھا۔ انہوں نے اس سے پوچھا کہ آپ کا نام؟ اس بندے نے کہا کہ یہ میرا نام ہے۔ اس سے پوچھا کہ آپ کیا خاص کام کرتے ہیں؟ (جواب میں اس نے پوچھا کہ) کیوں؟ میں تو کوئی خاص عمل

نہیں کرتا۔ عام سا بندہ ہوں۔انہوں نے کہا کہ نہیں جی۔ خاص تو یہ ہے کہ میں نے بادلوں سے آواز سنی کہ آج بارش سے فلاں بندے کے کھیتوں کو پانی پہنچانا ہے۔ فلاں وادی پر جا کر برسنا ہے۔وہ آگے کھلی جگہ ہے۔وہاں یہ (بادل) برسے ہیں۔ میں پھر پانی کے رُخ پر آ گیا ہوں آپ کو دیکھنے کے لئے۔اس نے کہا کہ بس عام سا بندہ ہوں۔ پانچ وقت نماز پڑھتا ہوں۔اللہ کی بندگی کرتا ہوں۔اس میں سے جو میری آمدنی ہوتی ہے اس کے میں تین حصے کر لیتا ہوں، ایک اللہ کے راستے میں دے دیتا ہوں۔اس طرح خرچ کرتا ہوں۔ایک بچوں کے لئے اور ایک زمین پر Invest کرتا ہوں۔یہ میری Routine ہے اور تو میں کچھ نہیں کرتا۔

ہم لوگ ٹھیک ٹائم پر چلیں تو یہ سب اللہ کے ماتحت ہیں۔یہ موسمیات والے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ (بادلوں والی ہوا) اِدھر سے آتی ہے، اُدھر سے آتی ہے۔وہ آتی تو ہے، بھیجتا کون ہے؟ وہ جو Frontier میں بارشیں ہو گئیں۔ادھر سے بھی آ گئیں، مون سون بھی آ گیا۔ فلاں آ گئیں اور خیبر پختونخواہ میں اکٹھی ہو گئیں، ایسے ہی اکٹھی ہو گئیں! اللہ کے حکم سے اکٹھی کی گئیں۔ اللہ جب چاہتا ہے تب (یہ بادل) برستا ہے۔طوفانِ نوح آیا تو اللہ نے کہا کہ چھوڑ دو۔آسمان سے بھی در کھل گئے۔زمین سے بھی کھل گئے۔سب زمین زیرِ آب آ گئی۔کشتی نے جودی پہاڑ کی چوٹی پر جا کر Land کیا۔جب حکم ہوا، اللہ نے آسمان کو کہا کہ تھم جا!۔زمین کو کہا کہ تو بھی سارا پانی جذب کر لے۔ان کو حکم ہوا۔وہ جو اس کا حکم ہوتا ہے اس کو ہم نہیں دیکھتے۔مون سون جب نہیں آتیں تو پھر کدھر یہ مون سون جاتی ہیں؟ مون سون بھی اللہ کے حکم سے چلتی ہیں۔ پوری کائنات اس کے حکم سے چلتی ہے۔ہم ٹھیک ہیں تو سارا کچھ ٹائم پر ہے۔ہم Out of time ہوئے ہیں تو ساری چیزیں Out of time ہو گئی ہیں۔خدا تعالیٰ کے حکم پر ٹھیک سے چلیں تو ہر چیز ٹائم پر ہو۔ جب ہم چاہیں۔ہر چیز موسم پر ہو، یہ سیلاب اور زلزلے اور یہ سارا کچھ۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں زلزلہ آیا تو کوڑا لے کر زمین پر بیٹھ گئے۔زمین کو مارنے لگے کہ

کیوں ہلتی ہے؟ کیا تیری پشت پر انصاف نہیں ہو رہا؟ یہ اُدھر دیکھتے ہیں۔ کانپے تو تب ماں کہ اُوپر گناہ ہو رہا ہو۔ اس سے پوچھا کہ تجھ پر زلزلہ ہے کیا انصاف نہیں ہو رہا تجھ پر۔ زمین پر ہی کوڑے مارے۔ کہتے ہیں کہ اس کے بعد زلزلہ نہیں آیا۔ وہ اپنے حساب سے دیکھتے ہیں کہ کیسے اور کیوں آئی ہیں یہ چیزیں۔ اس طرح ہے یہ نظام۔

رسول اللہ ﷺ کی حدیث مبارکہ ہے۔ جب آپ ﷺ دین کو پیش کر رہے تھے تو اس وقت مکہ والوں کی مخالفت تھی۔ دشمنی تھی اور نہ جانے کیا کچھ تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اب تم بھاگ رہے ہو، اس سے انکار کرتے ہو جو کچھ میں لے کر آیا ہوں۔ جب یہ دین غالب ہو جائے گا تو صنعاء سے ایک عورت زیوروں سے لدی پھدی چلے گی اور عمرہ کرنے اکیلی جائے گی۔ واپس بھی آ جائے گی تو زیرِ آسمان اسے اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہیں ہوگا کہ میں اکیلی جا رہی ہوں۔ زیور ہے یہ کوئی چھین نہ لے۔ ایسا نظام ہوگا۔ کوئی اس کو پوچھے گا بھی نہیں۔ یہ تو جان کی Security ہے اور مال کی بھی ہے۔ دوسرا یہ کہ مالی خوشحالی ایسی ہوگی کہ لوگ پیسے لے کر نکلیں گے زکوٰۃ لینے والا کوئی نہیں ملے گا۔ دین کی Completion اور اس کا رنگ جو ہے وہ اس میں بتایا ہے۔ یہ نہیں کہا کہ سارے مسجدوں میں بیٹھے ہوں گے۔ بلکہ دنیاوی سارے کام کریں گے، ان پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں شامل حال ہوں گی۔

حضرت عمرؓ کا دور تھا کہ ایک عورت اونٹ پر بیٹھی ہوئی آئی۔ شام کا وقت ہو رہا تھا۔ زیورات پہنے ہوئے تھی اور اکیلی آ رہی تھی۔ حضرت عمرؓ اس کو دیکھ کر حیران ہوئے کہ یہ اکیلی سفر کر رہی ہے۔ اس سے پوچھا کہ تو کہاں سے آئی ہے؟ کون ہے؟ تو اس (عورت) نے کہا کہ کیا خلیفہ راشد عمر بن خطابؓ کا انتقال ہو گیا ہے؟ کیا وہ فوت ہو گئے ہیں؟ حضرت عمرؓ نے کہا کہ میں تجھ سے کیا پوچھ رہا ہوں، تم کون ہو؟ کہاں سے آ رہی ہو؟ تم مجھے اُلٹا سوال کر رہی ہو کہ عمرؓ فوت ہو گئے ہیں؟ اس (عورت) نے کہا یہ اس لئے کہ جب وہ خلیفہ راشد اللہ کا کوئی بندہ حکومت

پر قائم رہتا ہے تو پھر وہاں کوئی ظلم و ستم نہیں ہوتا۔ میں حج یا عمرہ کر کے آ گئی ہوں۔ وہاں سے کسی نے مجھے یہ نہیں پوچھا کہ تو کون ہے؟ کہاں جانا ہے؟ تم پہلے شخص ہو جس نے مجھے Alert کیا۔ مجھے اس لئے شک ہوا کہ شاید خلیفہ کا سایہ اُٹھ گیا ہے دنیا سے۔ خوش بھی ہوئے۔ پتا تھا کہ حضور علیہ السلام کا یہ فرمان تھا۔ خوش ہوئے کہ اللہ میرے دور میں ہی وہ وقت لایا۔ دوسرا (وقت) بھی آ گیا کہ وہ زکوٰۃ لینے والا بھی۔

ہمارے اِدھر تو ظاہری حساب کتاب لگاتے رہتے ہیں۔ اُدھر یہ اس طرح ہوتا ہے کہ اِدھر اگر کوئی نیک بندہ حکمران ہے تو ۔۔۔۔ شیخ سعدیؒ کی حکایات کی روایت میں آتا ہے کہ بادشاہ راستہ بھول گیا۔ اکیلا رہ گیا۔ باغ نظر آیا اسے۔ وہاں اس نے ایک لڑکے سے کہا کہ مجھے پیاس لگی ہے۔ اس (لڑکے) نے ایک انار نچوڑا اور اس کے رس سے گلاس بھر گیا۔ بادشاہ بڑا خوش ہوا۔ دل میں یہ خیال آیا کہ یہ اتنا اچھا باغ ہے، اتنی اس کی آمدنی ہوتی ہے۔ کتنے اچھے انار ہیں۔ اس باغ پر ٹیکس نہیں لگا! اس پر ٹیکس لگنا چاہیے تھا۔ لڑکے سے کہا کہ بیٹے ایک اور گلاس لاؤ پیاس نہیں بجھی۔ اس (لڑکے) نے ایک انار نچوڑا۔ گلاس نہیں بھرا۔ پھر دوسرا، اور تین چار انار توڑے تب جا کے یہ گلاس بھرا۔ بادشاہ نے دیکھا کہ یہ کیا بات ہے؟ پہلے تو ایک ہی انار نچوڑا تھا تو گلاس بھر گیا تھا۔ اب تین چار۔۔۔ اس (لڑکے) نے کہا کہ لگتا ہے کہ بادشاہِ ملک کی نیت میں فتور آ گیا ہے۔ اس کی نیت بدل گئی ہے۔ اسے ملک کی خوشحالی وارے نہیں آتی کہ ٹیکس لگاؤ، برکت ختم ہو گئی ہے۔

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدیؒ کا خط بنام: سیّد رحمت اللہ شاہ

مورخہ: 18.01.2008

السَلامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہ !

آپ کا خط بھی ملا، فون پر براہ راست بھی گفتگو ہوئی اور بھائیوں کے توسط سے سلام بھی پہنچتا رہا۔ ویسے بھی دل سے نکلی ہوئی پریم کی لہریں حدود کی پابند نہیں ہوتیں۔ آپ یاد کرتے ہیں تو ہم بھی پہلے سے زیادہ آپ کا خیال رکھتے ہیں۔ ملائیشیا کی خصوصی چینل صرف آپ کیلئے کھول رکھی ہے۔

☆...... اپنے ملک سے باہر جا کر جب دوسرے لوگوں سے رابطہ ہوتا ہے تو جہاں یہ علم کے حصول کا ذریعہ بنتا ہے۔ وہاں اپنی قوم کی خوبیاں اور خامیاں بھی عیاں ہوتی ہیں۔ اس جذبہ سے زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔

☆...... سالانہ کنونشن پر بھی ہم آپ کو تنہا نہ چھوڑیں گے اور آپ کا حصہ آپ کو وہاں ہی مل جائے گا۔ دور بیٹھ کر مزہ لوٹنے کا ہُنر بھی آنا چاہیے۔ اس سے بڑا فائدہ ہوتا ہے۔ اس سے مرشد کی روح سے رابطہ مضبوط ہوتا ہے جو مرشد کے پردہ فرمانے کے بعد بھی کام آتا ہے اور خوب فیض ملتا ہے۔

☆...... اللہ تعالیٰ کے دین میں انسانی زندگی کا مقصود تو یہی ہے کہ ہجر کے اس عارضی عرصہ میں وہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے جذبہ کو کمال تک پہنچائے۔ اور اس کی رُوح اللہ تعالیٰ سے ملنے کیلئے بے تاب ہو جائے۔

رگِ جاں تو بہت دور کی بات ہے جاناں
میرے اور قریب اور قریب اور قریب آ

یا جس طرح علامہ اقبالؒ نے فرمایا کہ:

سمجھتا ہے تُو راز ہے زندگی فقط ذوقِ پرواز ہے زندگی

یعنی اگر انسان کو صحیح معرفت نصیب ہو جائے اور وہ جان جائے کہ میں کیا ہوں اور میرا اللہ کیسا ہے تو اس کا جی چاہے گا کہ ابھی پر لگا کر اُڑ جاؤں اور اپنے محبوب سے جا ملوں۔ تو گویا زندگی کا مقصد یہ ہے کہ ایسا ذوق پروان چڑھے۔

☆......اللہ تعالیٰ آپ کو مزید ذوق وشوق اور استقامت عطا فرمائے اور سلسلہ توحیدیہ کی تعلیم پر کما حقہٗ عمل کی توفیق سے نوازے اور اپنے مقربین میں شامل فرمائے۔ آمین!

حالات جیسے بھی ہوں اپنے اللہ تعالیٰ کی محبت کے پیغام کو آگے بڑھائے چلے جانا ہے۔ زمانہ بدلتا رہتا ہے۔ سب کچھ بدل جاتا ہے، رسم ورواج، رہن سہن، کھانا پینا، بس اللہ تعالیٰ کے پیار والی بات باقی رہے گی۔ وہ عہد جو اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ والا ہر روح سے لیا تھا، یہ باقی رہے گا۔

اسی کو مرکزی مقام دینا ہوگا۔ اللہ کو سب مان لیا جائے تو اصلاح کی بنیاد قائم ہو جاتی ہے۔ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید راہنمائی کیلئے موجود ہے۔ لوگوں کو پیار کے ساتھ، تواضع کے ساتھ، نرمی کے ساتھ، حلم کے ساتھ اللہ کی محبت کی طرف دعوت دینا ہے۔ یہ کام آپ جیسے نوجوانوں کے کرنے کا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو، آپ کو ہمت وحوصلہ عطاء فرمائے، آپ کی راہنمائی فرمائے اور دارین میں سرخرو فرمائے۔ آمین۔ والسلام

مورخہ: 10.06.2009

السَلامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ الله!

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب اس بندہ عاجز پر سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی خدمت کی عظیم ذمہ داری ڈال دی گئی تو پھر اس رحیم و کریم آقا نے خود ہی میری راہنمائی فرمائی۔ میں اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق اس کام کو آگے بڑھانے کیلئے اللہ تعالیٰ سے تائید ونصرت طلب کرتا رہا

یہ دعا کرتا رہا کہ میری زندگی کو اس خدمت کیلئے قبول فرمائے۔

''عکس ایام'' بھی اسی جذبہ کا عکس تھا تا کہ رابطہ کی صورت بہتر ہو جائے اور آخر کار یہ کام ماہوار مجلّہ کی صورت اختیار کر گیا۔ اللہ تعالیٰ نے خود ہی اسباب مہیا کر دیئے ورنہ مجھے تو اس کام کا کوئی تجربہ بھی نہ تھا۔

آپ بھائی بھی میرے لئے دُعا کرتے رہیں کہ میں جو کچھ کر سکا، اسے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور میری مغفرت فرمائے اور مجھے قیامت کے دن سرخرو فرمائے۔ آمین۔

آپ جو کچھ تحریر کر رہے ہیں اس کیلئے احمد رضا سے مشاورت کرتے رہیں، میرے پاس وقت کم ہے۔

لاہور کے بھائی امین اختر لون صاحب کے پاس ستر کی دہائی کی کنونشن کی قوالیاں اور بانیٔ سلسلہ کی گفتگو کا ریکارڈ موجود ہے انہوں نے فون کیا تھا کہ ٹیپ اور ریکارڈر کی سروس کرائی گئی ہیں اور صحیح آواز ہوگئی ہے۔ یہ سب کچھ ان سے لیکر گوجرانوالہ پہنچانا ہے۔ والسلام

مورخہ: 30.01.2011

السَّلامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہ!

اب ذرا موسم کھلا ہے تو ہم بھی کاغذات کھول کر بیٹھ گئے ہیں۔ بہت سے خطوط کے جواب لکھے ہیں۔ آپ کا خط بھی ہاتھ آ گیا۔ حالات و کیفیات سے آگاہی ہوئی۔

☆......آپ کی روحانی ترقی کی رفتار اطمینان بخش ہے۔ بقول بزرگان: ''استقامت بہتر از کرامت''۔ اللہ تعالیٰ کی محبت اور اطاعت میں ذوق و شوق بڑھتا چلا جائے اور عبادات میں لطف و سرور آنے لگے تو یہی ترقی کی علامات ہیں۔ جہاں تک سیر و سلوک کی بات ہے، بہت سے سالکوں کو دکھائی کچھ بھی نہیں دیتا اور یہ حالت بہتر سمجھی جاتی ہے کیونکہ کئی سالک ان نظاروں میں کھو جاتے ہیں اور ترقی رک جاتی ہے اس طرح جن کو نظر نہیں آتا، اُن کا سفر گویا بند گاڑی یا ہوائی جہاز کا سفر ہوتا ہے۔ اور وہ دوسروں سے آگے نکل جاتے ہیں۔ ایسے لوگ عارف بنتے ہیں۔ یہ بھی

تصوّف کا مانا ہوا اصول ہے کہ ذہین لوگوں کو دکھائی کم دیتا ہے۔ بہر حال ابھی آپ لاھوت میں ہیں اور یہ اچھے سالکین ہی کو میسر آتا ہے۔ اور یہ سفر تو زندگی بھر جاری رہتا ہے۔ ایسے بزرگوں کی توجہ سے طالبان کو بہت فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ ان کے پاس بیٹھنے والوں کو اس نور کا فائدہ ہوتا ہے لیکن جس کی اصلاح مطلوب ہو اسے ہمت اور ارادے سے توجہ دی جائے تو نتائج حیرت انگیز ہوتے ہیں۔ جو بھائی اچھا لگے اسے محبت کا ٹیکہ لگانے کا کام ہمارا طریقہ کار ہے۔

☆......آپ کا خیال درست ہے کہ بزرگی ناپنے کی بجائے پرواز جاری رکھی جائے اور اپنے ساتھیوں کو اللہ کی راہ پر لگانے کا کام بھی جاری رکھا جائے۔ کسی طالب نے اپنے شیخ سے پوچھا کہ اللہ کے ہاں میرا مقام کیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ اپنے دل میں جھانک کر دیکھو کہ اللہ کا تمہارے دل میں کیا مقام ہے؟

☆......پیر بھائیوں میں ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ بزرگ بھائی اور خاص طور پر روحانی نظارے دیکھنے والے بڑی دلچسپ باتیں سناتے رہتے ہیں اور وہ عُجب میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے حکم ہے جو کچھ دکھائی دے وہ مرشد کے علاوہ کسی کو نہ بتایا جائے۔ اس سے دیکھنے والوں اور نہ دیکھنے والوں دونوں کا بھلا ہوتا ہے۔

☆......ہر انسان کو مختلف اہلیت سے نوازا گیا ہے اور اس کے مطابق ہی اسے ترقی ملتی ہے۔ دنیا بھی اور روحانیت بھی۔ ہر آدمی کا مقامِ محمود علیحدہ علیحدہ ہوتا ہے۔ جو اپنے مقامِ محمود پر پہنچ گیا اس سے اللہ راضی ہو گیا۔ اسی کو نصیب یا تقدیر بھی کہتے ہیں۔

☆......مرید کیلئے اس کا شیخ ہی اطاعت کا مرکز ہوتا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے بعد اس کی محبت کو اپنا شعار بنانا چاہیے۔ قبلہ انصاری صاحبؒ سے بھی بھائیوں کی ملاقات ہوتی رہتی ہے۔ آپ مجھ سے اور زیادہ پیار کرو۔ باباجیؒ نے ایک بار مجھے ارشاد فرمایا: ''تمہارا رنگ خالصتاً میرا رنگ ہے۔'' اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے مقربین میں شامل فرمائے اور اپنی مخلوق کی اصلاح کا کام آپ سے لے۔ آمین! والسلام

شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ

(مولانا سید مودودیؒ)

ہر سال محرم میں کروڑوں مسلمان شیعہ اور سنی بھی امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت پر اپنے رنج وغم کا اظہار کرتے ہیں لیکن افسوس ہے کہ ان غمگساروں میں سے بہت ہی کم لوگ اس مقصد کی طرف توجہ کرتے ہیں جس کے لیے امام نے نہ صرف اپنی جان عزیز قربان کی بلکہ اپنے کنبے کے بچوں تک کو کٹوا دیا۔ کسی شخص کی مظلومانہ شہادت پر اس کے اہل خاندان کا، اور اس خاندان سے ہمدردی رکھنے والوں کا اظہارغم کرنا تو ایک فطری بات ہے۔

ایسا رنج وغم دنیا کے ہر خاندان اور اس سے تعلق رکھنے والوں کی طرف سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس کی کوئی اخلاقی قدر و قیمت اس سے زیادہ نہیں ہے کہ اس شخص کی ذات کے ساتھ اس کے رشتہ داروں کی اور خاندان کے ہمدردوں کی محبت کا ایک فطری نتیجہ ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ امام حسینؓ کی وہ کیا خصوصیت ہے، جس کی وجہ سے بر سہا برس گزر جانے پر بھی ہر سال ان کا غم تازہ ہوتا رہے؟ اگر یہ شہادت کسی مقصد عظیم کے لیے نہ تھی تو محض ذاتی محبت وتعلق کی بنا پر صدیوں اس کا غم جاری رہنے کے کوئی معنی نہیں ہیں اور خود امامؓ کی اپنی نگاہ میں اس محض ذاتی وشخصی محبت کی کیا قدر و قیمت ہو سکتی ہے؟ انہیں اگر اپنی ذات اس مقصد سے زیادہ عزیز ہوتی تو وہ اسے قربان ہی کیوں کرتے؟ ان کی یہ قربانی تو خود اس بات کا ثبوت ہے، کہ وہ اس مقصد کو جان سے بڑھ کر عزیز رکھتے تھے، لہٰذا اگر ہم اس مقصد کے لیے کچھ نہ کریں، بلکہ اس کے خلاف کام کرتے رہیں تو محض ان کی ذات کے لیے گریہ وزاری کر کے اور ان کے قاتلوں پر لعن طعن کر کے قیامت کے روز نہ تو ہم امام ہی سے کسی داد کی امید رکھ سکتے ہیں اور نہ یہ توقع رکھ سکتے ہیں کہ ان کا خدا اس کی کوئی قدر کرے گا۔

اب دیکھنا چاہیے کہ وہ مقصد کیا تھا؟ کیا امام تخت وتاج کے لیے اپنے کسی ذاتی استحقاق کا دعویٰ رکھتے تھے اور اس کے لیے انہوں نے سر دھڑ کی بازی لگائی؟ کوئی شخص بھی جو امام حسینؓ کے

گھرانے کی بلند اخلاقی سیرت کو جانتا ہے، یہ بدگمانی نہیں کرسکتا کہ یہ لوگ اپنی ذات کے لیے اقتدار حاصل کرنے کی خاطر مسلمانوں میں خونریزی کرسکتے تھے۔ اگر تھوڑی دیر کے لیے ان لوگوں کا نظریہ ہی صحیح مان لیا جائے، جن کی رائے میں یہ خاندان حکومت پر اپنے ذاتی استحقاق کا دعویٰ رکھتا تھا تب بھی حضرت ابوبکرؓ سے لے کر امیر معاویہؓ تک پچاس برس کی پوری تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ حکومت حاصل کرنے کے لیے لڑنا اور کشت وخون کرنا ہرگز ان کا مسلک نہ تھا۔ اس لیے لامحالہ یہ ماننا ہی پڑے گا کہ امامِ عالی مقام کی نگاہ اس وقت مسلم معاشرے اور اسلامی ریاست کی روح اور اس کے مزاج اور اس کے نظام میں کسی بڑے تغیر کے آثار دیکھ رہی تھی جسے روکنے کی جدوجہد کرنا ان کے نزدیک ضروری تھا، حتیٰ کہ اس راہ میں لڑنے کی نوبت بھی آجائے تو نہ صرف جائز بلکہ فرض سمجھتے تھے۔

ریاست کے مزاج، مقصد اور دستور کی تبدیلی

وہ تغیر کیا تھا؟ ظاہر ہے کہ لوگوں نے اپنا دین نہیں بدل دیا تھا۔ حکمرانوں سمیت سب لوگ خدا اور رسول اور قرآن کو اسی طرح مان رہے تھے جس طرح پہلے مانتے تھے مملکت کا قانون بھی نہیں بدلا تھا۔ عدالتوں میں قرآن وسنت ہی کے مطابق تمام معاملات کے فیصلے بنی امیہ کی حکومت میں بھی ہو رہے تھے۔ جس طرح ان کے برسراقتدار آنے سے پہلے ہوا کرتے تھے۔ بلکہ قانون میں تغیر تو انیسویں صدی عیسوی سے پہلے دنیا کی مسلم حکومتوں میں سے کسی کے دور میں بھی نہیں ہوا۔ بعض لوگ یزید کے شخصی کردار کو بہت نمایاں کر کے پیش کرتے ہیں جس سے یہ عام غلط فہمی پیدا ہوگئی ہے کہ وہ تغیر جسے روکنے کے لیے امام کھڑے ہوئے تھے بس یہ تھا کہ ایک برا آدمی برسراقتدار آ گیا تھا۔ لیکن یزید کی سیرت وشخصیت کا جو برے سے برا تصور پیش کرنا ممکن ہے اسے جوں کا توں مان لینے کے بعد بھی یہ بات قابلِ تسلیم نہیں ہے کہ اگر نظام صحیح بنیادوں پر قائم ہو تو محض ایک برے آدمی کا برسراقتدار آجانا کوئی ایسی بڑی بات ہوسکتی ہے جس پر امام حسینؓ جیسا دانا وزیرک اور علم شریعت میں گہری نظر رکھنے والا شخص بے صبر ہو جائے۔ اس لیے یہ شخصی معاملہ بھی وہ اصل تغیر نہیں ہے، جس نے امام کو بے چین کیا تھا۔ تاریخ کے مطالعہ سے جو چیز واضح طور پر ہمارے

سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ یزید کی ولی عہدی اور پھر اس کی تخت نشینی سے دراصل جس خرابی کی ابتداء ہو رہی تھی وہ اسلامی ریاست کے دستور اور اس کے مزاج اور اس کے مقصد کی تبدیلی تھی جسے امام حسینؓ نے دیکھا اور گاڑی کو پھر سے صحیح پٹڑی پر ڈالنے کے لیے اپنی جان لڑا دینے کا فیصلہ کیا۔

نقطہ انحراف: اس چیز کو ٹھیک ٹھیک سمجھنے کے لیے ہمیں دیکھنا چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کی سربراہی میں ریاست کا جو نظام چالیس سال تک چلتا رہا تھا اس کے دستور کی بنیادی خصوصیات کیا تھیں، اور یزید کی ولی عہد سے مسلمانوں میں جس دوسرے نظام ریاست کا آغاز ہوا اس کے اندر کیا خصوصیات دولت بنی اُمیہ و بنی عباس اور بعد کے بادشاہوں میں ظاہر ہوئیں اسی تقابل سے ہم یہ جان سکتے ہیں کہ یہ گاڑی پہلے کس لائن پر چل رہی تھی، اور اس نقطہ انحراف پر پہنچ کر وہ آگے کس لائن پر چل پڑی۔ اور اسی تقابل سے ہم یہ سمجھ سکتے ہیں کہ جس شخص نے رسول اللہ ﷺ اور سیدہ فاطمہؓ اور حضرت علیؓ کی آغوش میں تربیت پائی تھی اور جس نے صحابہ کی بہترین سوسائٹی میں بچپن سے بڑھاپے تک کی منزلیں طے کی تھیں، وہ کیوں اس نقطہ انحراف کے سامنے آتے ہی گاڑی کو اس لائن پر جانے سے روکنے کے لیے کھڑا ہو گیا، اور کیوں اس نے اس بات کی بھی پرواہ نہ کی کہ اس زوردار گاڑی کا رخ موڑنے کے لیے اس کے آگے کھڑے ہو جانے کا کیا نتیجہ ہو سکتا ہے۔

انسانی بادشاہت کا آغاز

اسلامی ریاست کی اوّلین خصوصیت یہ تھی کہ اس میں صرف زبان ہی سے نہیں کہا جاتا تھا، بلکہ سچے دل سے یہ مانا بھی جاتا تھا اور عملی روّیہ سے اس عقیدہ و یقین کا پورا ثبوت بھی دیا جاتا تھا کہ ملک خدا کا ہے، باشندے خدا کی رعیت ہیں اور حکومت اس رعیت کے معاملے میں خدا کے سامنے جواب دہ ہے۔ حکومت اس رعیت کی مالک نہیں ہے اور رعیت اس کی غلام نہیں ہے حکمرانوں کا کام سب سے پہلے اپنی گردن میں خدا کی بندگی و غلامی کا قلادہ ڈالنا ہے پھر یہ ان کی ذمہ داری ہے کہ خدا کی رعیت پر اس کا قانون نافذ کریں۔ لیکن یزید کی ولی عہدی سے جس انسانی بادشاہی کا مسلمانوں میں آغاز ہوا، اس میں خدا کی بادشاہی کا تصور صرف زبانی اعتراف تک محدود رہ گیا۔ عملاً اس نے وہی

نظریہ اختیار کرلیا جو ہمیشہ سے ہر انسانی بادشاہی کا رہا ہے۔یعنی ملک بادشاہ اور شاہی خاندان کا ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا تعطل

اسلامی ریاست کا مقصد خدا کی زمین میں ان نیکیوں کو قائم کرنا اور فروغ دینا تھا جو خدا کو محبوب ہیں اور ان برائیوں کو دبانا اور مٹانا تھا جو خدا کو ناپسند ہیں مگر انسانی بادشاہت کا راستہ اختیار کرنے کے بعد حکومت کا مقصد فتح ممالک اور تسخیر خلائق اور تحصیل خراج اور عیش دنیا کے سوا کچھ نہ رہا۔خدا کا کلمہ بلند کرنے کی خدمت بادشاہوں نے کم ہی کبھی انجام دی۔ان کے ہاتھوں اور ان کے امراء اور حکام اور درباریوں کے ہاتھوں بھلائیاں کم اور برائیاں بہت زیادہ پھیلیں۔ بھلائیوں کے فروغ اور برائیوں کی روک تھام اور اشاعت دین اور علوم اسلامی کی تحقیق و تدوین کے لیے جن اللہ کے بندوں نے کام کیا انہیں حکومتوں سے مدد ملنی تو درکنار، اکثر وہ حکمرانوں کے غضب ہی میں گرفتار رہے اور اپنا کام وہ ان کی مزاحمتوں کے علی الرغم ہی کرتے رہے۔ ان کی کوششوں کے برعکس حکومتوں اور ان کے حکام و متوسلین کی زندگیوں اور پالیسیوں کے اثرات مسلم معاشرے کو پیہم اخلاقی زوال ہی کی طرف لے جاتے رہے۔حد یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنے مفاد کی خاطر اسلام کی اشاعت میں رکاوٹیں ڈالنے سے بھی دریغ نہ کیا جس کی بدترین مثال بنوامیہ کی حکومت میں نومسلموں پر جزیہ لگانے کی صورت میں ظاہر ہوئی۔

اسلامی ریاست کی روح تقویٰ اور خداترسی اور پرہیزگاری پر تھی جس کا سب سے بڑا مظہر خود ریاست کا سربراہ ہوتا تھا۔حکومت کے عمال اور قاضی اور سپہ سالار سب اس روح سے سرشار ہوتے تھے اور پھر اسی روح سے وہ پورے معاشرے کو سرشار کرتے تھے لیکن بادشاہی کی راہ پر پڑتے ہی مسلمانوں کی حکومتوں اور ان کے حکمرانوں نے قیصر و کسریٰ کے سے رنگ ڈھنگ اور ٹھاٹھ باٹھ اختیار کرلیے۔عدل کی جگہ ظلم و جور کا غلبہ ہوتا چلا گیا۔پرہیزگاری کی جگہ فسق و فجور اور راگ رنگ اور عیش و عشرت کا دور دورہ شروع ہوگیا۔حرام وحلال کی تمیز سے حکمرانوں کی سیرت و کردار خالی ہوتی چلی گئی۔سیاست کا رشتہ اخلاق سے ٹوٹتا چلا گیا۔خدا سے خود ڈرنے کی بجائے

حاکم لوگ بندگانِ خدا کو اپنے آپ سے ڈرانے لگے اور لوگوں کے ایمان وضمیر بیدار کرنے کی بجائے ان کو اپنی بخششوں کے لالچ سے خریدنے لگے۔

اسلامی دستور کے بنیادی اصول

یہ تو تھا روح ومزاج اور مقصد اور نظریے کا تغیر۔ ایسا ہی تغیر اسلامی دستور کے بنیادی اصولوں میں بھی رونما ہوا۔ اس دستور کے سات اہم ترین اصول تھے، جن میں سے ہر ایک کو بدل ڈالا گیا۔

(1) آزادانہ انتخابات:

دستورِ اسلامی کا سنگِ بنیاد یہ تھا کہ حکومت لوگوں کی آزادانہ رضامندی سے قائم ہو۔ کوئی شخص اپنی کوشش سے اقتدار حاصل نہ کرے بلکہ لوگ اپنے شوریٰ سے بہتر آدمی کو چن کر اقتدار اس کے سپرد کر دیں۔ بیعت اقتدار کا نتیجہ نہ ہو، بلکہ اس کا سبب ہو۔ بیعت حاصل ہونے میں آدمی کی اپنی کسی کوشش یا سازش کا دخل نہ ہو، لوگ بیعت کرنے یا نہ کرنے کے معاملے میں پوری طرح آزاد ہوں۔ جب تک کسی شخص کو بیعت حاصل نہ ہو وہ برسر اقتدار نہ آئے اور جب لوگوں کا اعتماد اس پر سے اٹھ جائے تو وہ اقتدار سے چمٹا نہ رہے۔ خلفاءِ راشدین میں سے ہر ایک اسی قائدے کے مطابق برسر اقتدار آیا تھا۔ امیر معاویہؓ کے معاملہ میں پوزیشن مشتبہ ہوگئی ہے۔ اسی لیے صحابی ہونے کے باوجود ان کا نام خلفائے راشدین میں نہیں لیا گیا۔ لیکن آخر کار یزید کی ولی عہدی وہ انقلابی کاروائی ثابت ہوئی جس نے اس قاعدے کو الٹ کر رکھ دیا۔ اس سے خاندانوں کی موروثی بادشاہتوں کا وہ سلسلہ شروع ہوا جس کے بعد سے آج تک پھر مسلمانوں کو انتخابی خلافت کی طرف پلٹنا نصیب نہ ہو سکا۔ اب لوگ مسلمانوں کے آزادانہ اور کھلے مشورے سے نہیں بلکہ طاقت سے برسر اقتدار آنے لگے۔ اب بیعت سے اقتدار حاصل کرنے کی بجائے اقتدار سے بیعت حاصل کی جانے لگی۔ اب بیعت کرنے یا نہ کرنے میں لوگ آزاد نہ رہے۔ اور بیعت کا حاصل ہونا اقتدار پر قائم رہنے کے لیے شرط نہ رہا۔ لوگوں کی اول تو یہ مجال نہ تھی کہ جس کے ہاتھ میں اقتدار تھا

اس کی بیعت نہ کرتے لیکن اگر وہ بیعت نہ بھی کرتے تو جس کے ہاتھ میں اقتدار آ گیا تھا وہ ہٹنے والا نہ تھا۔اس جبری بیعت کو کالعدم قرار دینے کا قصور جب منصور عباسی کے زمانہ میں امام مالکؒ سے سرزد ہوا تو ان کی پیٹھ پر کوڑے برسائے گئے اور ان کے ہاتھ شانوں سے اکھڑوا دیے گئے۔

(2) شورائی نظام:

دوسرا اہم ترین قاعدہ اس دستور کا یہ تھا کہ حکومت مشورے سے کی جائے اور مشورہ ان لوگوں سے کیا جائے ، جن کے علم ،تقویٰ اور اصابت رائے پر عام لوگوں کو اعتماد ہو۔خلفائے راشدین کے عہد میں جو لوگ شوریٰ کے رکن بنائے گئے اگر چہ ان کو انتخاب عام کے ذریعے سے منتخب نہیں کرایا گیا تھا جدید زمانے کے تصور کے لحاظ سے وہ نامزد کردہ لوگ ہی تھے۔لیکن خلفائے راشدین نے یہ دیکھ کر ان کو مشیر نہیں بنایا تھا کہ یہ ہماری ہاں میں ہاں ملانے اور ہمارے مفاد کی خدمت کرنے کے لیے موزوں ترین لوگ ہیں ، بلکہ انہوں نے پورے خلوص اور بے غرضی کے ساتھ قوم کے بہترین عناصر کو چنا تھا، جن سے وہ حق گوئی کے سوا کسی چیز کی توقع نہ رکھتے تھے، جن سے یہ امید تھی کہ وہ ہر معاملے میں اپنے علم وضمیر کے مطابق بالکل صحیح ایماندارانہ رائے دیں گے، جن سے کوئی شخص بھی یہ اندیشہ نہ رکھتا تھا کہ وہ حکومت کو کسی غلط راہ پر جانے دیں گے۔اگر اس وقت ملک میں آج کل کے طریقے کے مطابق انتخابات بھی ہوتے تو عام مسلمان انہی لوگوں کو اپنے اعتماد کا مستحق قرار دیتے۔لیکن شاہی دور کا آغاز ہوتے ہی شوریٰ کا یہ طریقہ بدل گیا۔ اب بادشاہ استبداد اور مطلق العنانی کے ساتھ حکومت کرنے لگے۔اب شاہزادے اور خوشامدی اہل دربار اور صوبوں کے گورنر اور فوجوں کے سپہ سالار ان کی کونسلوں کے ممبر تھے۔اب وہ لوگ ان کے مشیر تھے جن کے معاملہ میں اگر قوم کی رائے لی جاتی تو اعتماد کے ایک ووٹ کے مقابلہ میں لعنت کے ہزاروں ووٹ آتے اور اس کے برعکس وہ حق شناس وحق گو اہل علم وتقویٰ جن پر قوم کو اعتماد تھا، وہ بادشاہوں کی نگاہ میں کسی اعتماد کے مستحق نہ تھے بلکہ ان کے لئے معتوب یا کم از کم مشتبہ تھے۔

(3)اظہار رائے کی آزادی:

اس دستور کا تیسرا اصول یہ تھا کہ لوگوں کو اظہار رائے کی پوری آزادی ہو ۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو اسلام نے ہر مسلمان کا حق ہی نہیں بلکہ فرض قرار دیا تھا۔ اسلامی معاشرے اور ریاست کے صحیح راستہ پر چلنے کا انحصار اس بات پر تھا کہ لوگوں کے ضمیر اور ان کی زبانیں آزاد ہوں وہ ہر غلط کام پر بڑے سے بڑے کو ٹوک سکیں اور حق بات برملا کہہ سکیں ۔ خلافت راشدہ میں صرف یہی نہیں کہ لوگوں کا یہ حق پوری طرح محفوظ تھا، بلکہ خلفائے راشدین اسے ان کا فرض سمجھتے تھے۔ اور اس فرض کے ادا کرنے میں ان کی ہمت افزائی کرتے تھے۔ ان کی مجلس شوریٰ کے ممبروں ہی کو نہیں ،قوم کے ہر شخص کو بولنے اور ٹوکنے اور خود خلیفہ سے باز پرس کرنے کی مکمل آزادی تھی، جس کے استعمال پر لوگ ڈانٹ اور دھمکی سے نہیں بلکہ داد اور تعریف سے نوازے جاتے تھے، یہ آزادی ان کی طرف سے کوئی عطیہ اور بخشش نہ تھی جس کے لیے وہ قوم پر اپنا احسان جتاتے بلکہ یہ اسلام کا عطا کردہ ایک دستوری حق تھا، جس کا احترام کرنا وہ اپنا فرض سمجھتے تھے۔ اور اسے بھلائی کے لیے استعمال کرنا ہر مسلمان پر خدا اور رسول ﷺ کا عائد کردہ ایک فریضہ تھا جس کی ادائیگی کے لیے معاشرے اور ریاست کی فضا کو ہر وقت سازگار رکھنا ان کی نگاہ میں فرائض خلافت کا ایک اہم جزو تھا لیکن بادشاہی دور کا آغاز ہوتے ہی ضمیروں پر قفل چڑھا دیے گئے اور منہ بند کردیے گئے۔ اب قاعدہ یہ ہوگیا کہ زبان کھولو تو تعریف میں کھولو، ورنہ چپ رہو اور اگر تمہارا ضمیر ایسا زورآور ہے کہ حق گوئی سے تم باز نہیں رہ سکتے تو قید یا قتل کے لیے تیار ہوجاؤ۔ یہ پالیسی رفتہ رفتہ مسلمانوں کو پست ہمت ، بزدل اور مصلحت پرست بناتی چلی گئی ۔ خطرہ مول لے کر سچی بات کہنے والے ان کے اندر کم سے کم ہوتے چلے گئے ۔خوشامد اور چاپلوسی کی قیمت مارکیٹ میں چڑھتی اور حق پرستی وراست بازی کی قیمت گرتی چلی گئی ۔ اعلیٰ قابلیت رکھنے والے ایماندار اور آزاد خیال لوگ حکومت سے بے تعلق ہوگئے اور عوام کا حال یہ ہوگیا کہ کسی شاہی

خاندان کی حکومت برقرار رکھنے کے لیے ان کے دلوں میں کوئی جذبہ باقی نہ رہا۔ ایک کو ہٹانے کے لیے جب دوسرا آیا تو انہوں نے مدافعت میں انگلی تک نہ ہلائی اور گرنے والا جب گرا تو انہوں نے ایک لات اور رسید کر کے اسے زیادہ گہرے گڑھے میں پھینکا۔ حکومتیں جاتی اور آتی رہیں مگر لوگوں نے تماشائی سے بڑھ کر اس آمد و رفت کے منظر سے کوئی دلچسپی نہ لی۔

(4) خدا اور خلق کے سامنے جواب دہی:

چوتھا اصول: جو اس تیسرے اصول کے ساتھ لازمی تعلق رکھتا تھا، یہ تھا کہ خلیفہ اور اس کی حکومت خدا اور خلق دونوں کے سامنے جواب دہ ہے۔ جہاں تک خدا کے سامنے جواب دہی کا تعلق ہے۔ اس کے شدید احساس سے خلفائے راشدینؓ پر دن کا چین اور رات کا آرام حرام ہو گیا تھا اور جہاں تک خلق کے سامنے جواب دہی کا تعلق ہے وہ ہر وقت، ہر جگہ اپنے آپ کو عوام کے سامنے جواب دہ سمجھتے تھے۔ ان کی حکومت کا یہ اصول نہ تھا کہ صرف مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) میں نوٹس دیکر ہی ان سے سوال کیا جا سکتا ہے، وہ ہر روز پانچ مرتبہ نماز کی جماعت میں اپنے عوام کا سامنا کرتے تھے۔ وہ ہر ہفتے جمعہ کی جماعت میں عوام کے سامنے اپنی کہتے اور ان کی سنتے تھے، وہ شب و روز بازاروں میں کسی باڈی گارڈ کے بغیر، کسی ہٹو بچو کی آواز کے بغیر عوام کے درمیان چلتے پھرتے تھے۔ ان کے گورنمنٹ ہاؤس (یعنی ان کے کچے مکان) کا دروازہ ہر شخص کے لیے کھلا تھا اور ہر ایک ان سے مل سکتا تھا۔ ان سب مواقع پر ہر شخص ان سے سوال کر سکتا تھا، اور جواب طلب کر سکتا تھا۔ یہ محدود جواب دہی نہ تھی بلکہ کھلی اور ہمہ وقتی جواب دہی تھی۔ یہ نمائندوں کے واسطے سے نہ تھی بلکہ پوری قوم کے سامنے براہ راست تھی۔ وہ عوام کی مرضی سے برسر اقتدار آئے تھے اور عوام کی مرضی انہیں ہٹا کر دوسرا خلیفہ ہر وقت لا سکتی تھی۔ اس لیے نہ تو انہیں عوام کا سامنا کرنے میں کوئی خطرہ محسوس ہوتا تھا اور نہ اقتدار سے محروم ہونا ان کی نگاہ میں کوئی خطرہ تھا کہ وہ اس سے بچنے کی کبھی فکر کرتے لیکن بادشاہی دور کے آتے ہی جواب دہ حکومت کا تصور ختم ہو گیا۔

خدا کے سامنے جوابدہی کا خیال چاہے زبانوں پر رہ گیا ہو، مگر عمل میں اس کے آثار کم ہی نظر آتے ہیں۔ رہی خلق کے سامنے جواب دہی، تو کون مائی کا لال تھا جو ان سے جواب طلب کر سکتا۔ وہ اپنی قوم کے فاتح تھے، مفتوحوں کے سامنے کون فاتح جواب دہ ہوتا ہے۔ وہ طاقت سے برسر اقتدار آئے تھے اور ان کا نعرہ یہ تھا کہ جس میں طاقت ہو وہ ہم سے اقتدار چھین لے۔ ایسے لوگ عوام کا سامنا کب کیا کرتے ہیں اور عوام ان کے قریب کہاں پھٹک سکتے تھے! وہ نماز بھی پڑھتے تھے تو نتھو خیرے کے ساتھ نہیں بلکہ اپنے محلوں کی محفوظ مسجدوں میں یا باہر اپنے نہایت قابل اعتماد محافظوں کے جھرمٹ میں۔ ان کی سواریاں نکلتی تھیں تو آگے اور پیچھے مسلح دستے ہوتے تھے۔ اور راستے صاف کر دیے جاتے تھے، عوام کی اور ان کی مڈبھیڑ کسی جگہ ہوتی ہی نہ تھی۔

(۵) بیت المال ۔ ایک امانت:

پانچواں اصول اسلامی دستور کا یہ تھا کہ بیت المال خدا کا مال اور مسلمانوں کی امانت ہے جس میں کوئی چیز حق کی راہ کے سوا کسی دوسری راہ سے آنی نہیں چاہیے۔

خلیفہ کا حق اس مال میں اتنا ہی ہے جتنا قرآن کی رو سے مال یتیم میں اس کے ولی کا ہوتا ہے۔

وَمَن كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَن كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ

(''جو اپنی ذاتی ذرائع آمدنی اپنی ضرورت بھر رکھتا ہو وہ اس مال سے تنخواہ لیتے ہوئے شرم کرے، اور جو واقعی حاجت مند ہو وہ اتنی تنخواہ لے جسے ہر معقول آدمی مبنی بر انصاف مانے'') خلیفہ اس کی ایک ایک پائی کے آمد و خرچ پر حساب دینے کا ذمہ دار ہے۔ اور مسلمانوں کو اس سے حساب مانگنے کا پورا حق ہے۔ خلفائے راشدین نے اس اصول کو بھی کمال درجہ دیانت اور حق شناسی کے ساتھ برت کر دکھایا۔ ان کے خزانے میں جو کچھ خرچ ہوتا تھا بالکل جائز راستوں میں ہوتا تھا۔ ان میں سے جو غنی تھا اس نے ایک حبہ اپنی ذات کے لیے تنخواہ کے طور پر وصول کیے بغیر مفت خدمت انجام دی، بلکہ اپنی گرہ سے قوم کے لیے خرچ کرنے میں بھی دریغ نہ کیا۔ اور جو تنخواہ کے بغیر

ہمہ وقتی خدمتگار نہ بن سکتے تھے انہوں نے اپنی ضروریات زندگی کے لیے اتنی کم تنخواہ لی کہ ہر معقول آدمی اسے انصاف سے کم ہی مانے گا۔ زیادہ کہنے کی جرأت ان کا دشمن بھی نہیں کرسکتا۔ پھر اس خزانے کی آمد و خرچ کا حساب ہر وقت ہر شخص مانگ سکتا تھا اور وہ ہر وقت ہر شخص کے سامنے حساب دینے کے لیے تیار تھے۔ ان سے ایک عام آدمی بھرے مجمع میں پوچھ سکتا تھا کہ خزانہ میں یمن سے جو چادریں آئی ہیں ان کا طول و عرض تو اتنا نہ تھا کہ جناب کا یہ لمبا کرتہ بن سکے یہ زائد کپڑا آپ کہاں سے لائے ہیں؟ مگر جب خلافت بادشاہی میں تبدیل ہوئی تو خزانہ خدا اور مسلمانوں کا حق نہیں بلکہ بادشاہ کا مال تھا، ہر جائز و ناجائز راستہ سے اس میں دولت آتی تھی اور ہر جائز و ناجائز راستے میں بے غل و غش صرف ہوتی تھی۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ اس کے حساب کا سوال اٹھا سکے۔ سارا ملک ایک خوان تھا جس پر ایک ہرکارے سے لے کر سربراہ مملکت تک، حکومت کے سارے کل پرزے حسب توفیق ہاتھ مار رہے تھے۔ اور ذہنوں سے یہ تصور ہی نکل گیا تھا کہ اقتدار کوئی پروانہ اباحت نہیں ہے، جس کی بدولت یہ لوٹ مار ان کے لیے حلال ہو اور پبلک کا مال کوئی شیر مادر نہیں ہے جسے وہ ہضم کرتے رہیں اور کسی کے سامنے انہیں اس کا حساب دینا نہ ہو۔

(6) قانون کی حکومت

چھٹا اصول: اس دستور کا یہ تھا کہ ملک میں قانون (یعنی خدا اور رسول ﷺ کے قانون) کی حکومت ہونی چاہیے۔ کسی کو قانون سے بالاتر نہ ہونا چاہیے۔ ایک عام آدمی سے لے کر سربراہ مملکت تک سب کے لیے ایک ہی قانون ہونا چاہیے اور سب پر اُسے بے لاگ طریقے سے نافذ ہونا چاہیے۔ خلفائے راشدینؓ نے اس اصول کی پیروی کا بھی بہترین نمونہ پیش کیا تھا۔ بادشاہوں سے بڑھ کر اقتدار رکھنے کے باوجود وہ قانون الٰہی کی بندشوں میں جکڑے ہوئے تھے۔ نہ ان کی دوستی اور رشتہ داری قانون کی حد سے نکل کر کسی کو کچھ نفع پہنچا سکتی تھی اور نہ ان کی ناراضگی کسی کو قانون کے خلاف کوئی نقصان پہنچا سکتی تھی۔ کوئی ان کے اپنے حق پر بھی دست درازی کرتا

تو وہ ایک عام آدمی کی طرح عدالت کا دروازہ کھٹکھٹاتے تھے،، اور کسی کو ان کے خلاف شکایت ہوتی تو وہ استغاثہ کر کے انہیں عدالت میں کھینچ لاسکتا تھا۔اسی طرح انہوں نے اپنی حکومت کے گورنروں اور سپہ سالاروں کو بھی قانون کی گرفت میں کس رکھا تھا۔کسی کی مجال نہ تھی کہ عدالت کے کام میں کسی قاضی پر اثر انداز ہونے کا خیال بھی کرتا۔کسی کا یہ مرتبہ نہ تھا کہ قانون کی حد سے قدم باہر نکال کر مواخذہ سے بچ جاتا۔لیکن خلافت سے بادشاہی کی طرف انتقال واقع ہوتے ہی اس قاعدے کے بھی چیتھڑے اڑ گئے۔اب بادشاہ اور شہزادے اور امراء اور حکام اور سپہ سالار ہی نہیں شاہی محلات کے منہ چڑھے لونڈی غلام تک قانون سے بالاتر ہوگئے۔لوگوں کی گردنیں اور پیٹھیں اور مال اور آبروئیں سب ان کے لیے مباح ہوگئیں۔انصاف کے دو معیار بن گئے۔ایک کمزور کے لیے اور دوسرا طاقت ور کے لیے۔مقدمات میں عدالتوں پر دباؤ ڈالے جانے لگے اور بے لاگ انصاف کرنے والے قاضیوں کی شامت آنے لگی۔حتیٰ کہ خدا ترس فقہاء نے عدالت کی کرسی پر بیٹھنے کی بجائے کوڑے اور قید ہوجانا زیادہ قابل ترجیح سمجھا، تاکہ ظلم و جور کے آلہ کار بن کر خدا کے عذاب کے مستحق نہ بنیں۔

(7) حقوق اور مراتب کے لحاظ سے کامل مساوات

مسلمانوں میں حقوق اور مراتب کے لحاظ سے کامل مساوات، اسلامی دستور کا ساتواں اصول تھا، جسے ابتدائی اسلامی ریاست میں پوری قوت کے ساتھ قائم کیا گیا تھا۔مسلمانوں کے درمیان نسل، وطن کی زبان وغیرہ کا کوئی امتیاز نہ تھا۔قبیلے اور خاندان اور حسب و نسب کے لحاظ سے کسی کو کسی پر فضیلت نہ تھی۔خدا اور رسول ﷺ کے ماننے والے سب لوگوں کے حقوق یکساں تھے اور سب کی حیثیت برابر تھی۔ایک کو دوسرے پر ترجیح اگر تھی تو سیرت و اخلاق اور اہلیت و صلاحیت اور خدمات کے لحاظ سے تھی۔لیکن خلافت کی جگہ جب بادشاہی نظام آیا تو عصبیت کے شیاطین ہر گوشے سے سر اٹھانے لگے۔شاہی خاندان اور ان کے حامی خانوادوں کا مرتبہ

سب سے بلند و برتر ہو گیا۔ان کے قبیلوں کو دوسرے قبیلوں پر ترجیحی حقوق حاصل ہو گئے۔ عربی اور عجمی تعصّبات جاگ اٹھے اور خود عربوں میں قبیلے اور قبیلے کے درمیان کش مکش پیدا ہو گئی۔ ملت اسلامیہ کو اس چیز نے جو نقصان پہنچایا، اس پر تاریخ کے اوراق گواہ ہیں۔

امام حسینؓ کا مومنانہ کردار

یہ تھے وہ تغیرات جو اسلامی خلافت کو خاندانی بادشاہت میں تبدیل کرنے سے رونما ہوئے۔کوئی شخص اس تاریخی حقیقت کا انکار نہیں کرسکتا کہ یزید کی ولی عہدی ان تغیرات کا نقطہ آغاز تھی اور اس بات سے بھی انکار ممکن نہیں ہے کہ اس نقطے سے چل کر تھوڑی مدت کے اندر ہی بادشاہی نظام میں وہ سب خرابیاں نمایاں ہو گئیں جو اوپر بیان کی گئی ہیں۔جس وقت یہ انقلابی قدم اٹھایا گیا تھا، اس وقت یہ خرابیاں اگر چہ بتمام کمال سامنے نہ آئیں تھیں مگر ہر صاحب بصیرت آدمی جان سکتا تھا کہ اس اقدام کے لازمی نتائج یہی کچھ ہیں اور اس سے ان اصلاحات پر پانی پھر جانے والا ہے جو اسلام نے سیاست و ریاست کے نظام میں کی ہیں۔اسی لیے امام حسینؓ اس پر صبر نہ کرسکے اور انہوں نے فیصلہ کیا کہ جو بد سے بدتر نتائج بھی انہیں ایک جمی جمائی حکومت کے خلاف اٹھانے میں بھگتنے پڑیں، ان کا خطرہ مول لے کر بھی انہیں اس انقلاب کو روکنے کی کوشش کرنی چاہیے۔اس کوشش کا جو انجام ہوا وہ سب کے سامنے ہے۔مگر امامؓ نے اس عظیم خطرے میں کود کر اور مردانہ وار اس کے نتائج کو انگیز کر کے جو بات ثابت کی وہ یہ تھی کہ اسلامی ریاست کی بنیادی خصوصیات اُمت مسلمہ کا وہ بیش قیمت سرمایہ ہیں جسے بچانے کے لیے ایک مومن اپنا سر بھی دے دے اور اپنے بال بچوں کو بھی کٹوا بیٹھے تو اس مقصد کے مقابلے میں کوئی مہنگا سودا نہیں ہے اور ان خصوصیات کے مقابلے میں وہ دوسرے تغیرات جنہیں اوپر نمبروار تحریر گیا ہے، دین اور ملت کے لیے وہ آفت عظمٰی ہیں جسے روکنے کے لیے ایک مومن کو اپنا سب کچھ قربان کر دینا پڑے تو اس میں دریغ نہ کرنا چاہیے۔کسی کا جی چاہے تو اسے حقارت کے ساتھ سیاسی کام کہہ لے مگر حسینؓ بن علیؓ کی نگاہ میں تو یہ سراسر ایک دینی کام تھا اسی لیے انہوں نے اس کام میں جان دینے کو شہادت سمجھ کر جان دی۔

قرآن اور سائنس

(ڈاکٹر حافظ حقانی میاں)

لفظ ''سائنس'' لاطینی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ''جاننا'' ہیں۔ آج کل جس معنی میں سائنس کا اطلاق ہوا ہے وہ پروفیسر ''کے لنکسر ڈ'' کے مطابق سائنسی نظام فطرت کے علم کا نام ہے جو مشاہدہ تجربہ اور عقل سے حاصل ہوتا ہے۔ علم کے جس شعبے کو ہم سائنس کہتے ہیں اس کا دوسرا نام علم کائنات ہے، جس میں انسان کا علم بھی شامل ہے۔ سائنسی علوم کلیہ کائنات کے قدرتی حالات اور واقعات کا یا دوسرے لفظوں میں مظاہر قدرت کا مشاہدہ ہے جو ہمارے حواس خمسہ کے ذریعے سے عمل میں آتا ہے۔ سائنس دان کائنات کے مشاہدے سے کچھ نتائج اخذ کرتا ہے۔ ہر درست سائنسی نتیجے کو ہم مستقل عملی حقیقت یا قانونِ قدرت سمجھتے ہیں۔ مشاہدے سے دریافت ہونے والے یا علمی حقائق کو جب مرتب اور منظم کرلیا جاتا ہے تو اسے ہم سائنس کہتے ہیں۔

کائنات کے تین طبقے مادّہ زندہ اجسام اور نفس انسانی کے ساتھ ساتھ علم سائنس کے بھی تین حصے ہیں:

۱۔ مادّہ کی ماہیت سے تعلق رکھنے والے علوم یا طبعیاتی علم جن میں فزکس، علم کیمیا، علم افلاک، علم الارض وغیرہ شامل ہیں۔

۲۔ زندگی کی ماہیت سے تعلق رکھنے والے علوم یا حیاتیاتی علوم جن میں علم حیاتیات علم نباتات علم حیوانات، علم الجنین، علم الابدان، طب وغیرہ شامل ہیں۔

۳۔ نفس انسانی کی ماہیت اور اس کے مظاہر سے تعلق رکھنے والے علوم یا انسانی یا نفسیاتی علوم جن میں نفسیات فرد، نفسیات جماعت، علم التاریخ، علم السیاست، علم الاخلاق، علم القانون، علم التعلیم، ریاضی، منطق، فلسفہ وغیرہ علوم شامل ہیں۔

قرآن مجید کی رو سے خدا کی خالقیت اور ربوبیت کے نشانات کائنات کی تینوں سطحوں پر ہیں:

۱۔ مادّہ کی ماہیت سے تعلق رکھنے والے علوم کی طرف توجہ دلاتے ہوئے قرآن مجید چاند، سورج اور زمین وستاروں کی حرکت کا، برق وصحاب کا، ہواؤں کے چلنے کا، پہاڑوں کے میخوں کی طرح گاڑھنے کا، زمین کی ہموار سطح کا، زمین اور آسمان کے علیحدہ علیحدہ ہونے کا اور اسی طرح کے دوسرے مظاہر قدرت کے مشاہدے اور مطالعے کا حق ادا کر کے ان کی حقیقت و اصلیت کو پوری طرح سمجھاتا ہے۔ان کے تمام رموز و اسرار سے اور خدا کی ان تمام حکمتوں سے جو ان کے اندر پوشیدہ ہیں پوری طرح آگاہ ہو جائیں تو نتیجہ یہ ہوگا کہ تمام طبعیاتی علوم وجود میں آجائیں گے۔

۲۔ حیاتیاتی علوم کی طرف توجہ دلاتے ہوئے قرآن مجید زمین سے روئیدگی کے نمودار ہونے کا، لہلہاتے کھیتوں کا، غلے کے پیدا ہونے کا، مختلف رنگوں اور ذائقوں کے پھلوں کا، پانی سے ہر جاندار کے زندہ ہونے کا، کیچڑ (خمیر اٹھی ہوئی مٹی سے) انسان کی تخلیق کے آغاز کا، زمین سے نسل انسانی کے اُگنے کا زمین میں ہر قسم کے جانداروں کے پھیل جانے کا، پرندوں کے اڑنے کا، سواری کے کام آنے والے اور دودھ دینے والے چوپایوں کا، نباتات اور حیوانات کے ازواج کا، اونٹ کی جسمانی ساخت کا، انسان کی قوت فہم و دید وشنید کا، اور ماں کے رحم میں انسانی جنین کی حالتوں کے تدریجی تغیر کا اور اسی طرح کے دوسرے مظاہر قدرت کا ذکر کر کے ان کا مشاہدہ اور مطالعہ کریں۔یہاں تک کہ ان کے تمام اسرار رموز سے واقف ہو جائیں تو نتیجہ یہ ہوگا کہ تمام حیاتیاتی علوم مکمل طور پر وجود میں آجائیں گے۔

۳۔ قرآن مجید نے انسانی تاریخ کے بعض اہم واقعات اور قوانین کا انسانی فطرت کے بعض بنیادی قواعد وحقائق کا ذکر کرتے ہوئے ان واقعات کا ذکر کیا ہے کہ کس طرح تاریخ عالم میں پے در پے انسانوں کا ظہور ہوتا رہا جنہوں نے اس بات کا اظہار کیا ہے کہ وہ خدا کے رسول ہیں اور لوگوں کو یہ بتانے آتے ہیں کہ ان کا سچا محبوب خدا ہے جو اس کائنات کا خالق ہے۔کس طرح سے خدا کی محبت، یا دین انسانوں کی فطرت میں ہے جو لازوال ہے۔کس طرح سے خدا کی عبادت انسان کے دل کو مطمئن کرتی ہے، کس طرح سے اولاد کے دل میں والدین کے احترام کا

خیال پیدا ہوتا ہے، کس طرح سے انسان کے دل میں نیک و بد، درست و نادرست کو پرکھنے کا ایک معیار موجود ہے ۔ پھر انسانی لاشعور کے بعض ایسے وظائف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جن کو ماہرین نفسیات نے حال ہی میں سمجھا ہے، قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ کس طرح سے انسانی فرد کے تمام چھوٹے اور بڑے اعمال اس کے وجود میں ایک نامۂ اعمال موت کے بعد انسان کے سامنے کھل جائے گا۔ اسی طرح اگر ہم قرآن مجید کے اس ارشاد پر کہ ''مظاہر قدرت پر پوری طرح سے غور و فکر کرو'' عمل کریں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تمام سائنسی علوم آیات اللہ کے ایک سلسلے کے طور پر وجود میں آجاتے ہیں ۔

مسلمانوں نے جو سائنسی طریقۂ تحقیق ایجاد کیا تھا اور سائنسی علوم کی بنیاد رکھی تھی، اس کی اصل قرآن مجید کی یہی تعلیم ہے ۔ قرآن مجید کی اسی تعلیم کی وجہ سے مسلمانوں کی سائنسی ترقی کا اعتراف مغربی مفکرین نے بھی کیا ہے ۔

ایک مغربی مفکر ڈاکٹر ھیرونگ شیفلیڈ یوں اظہار کرتا ہے ''ہمیں قرآن مجید کے سرچشمہ علوم ہونے پر متحیر نہیں ہونا چاہیے ۔ اس کے ہر موضوع پر جس کا تعلق ارض و سماء سے ہو متعدد مقالوں کو ترتیب دیا جاسکتا ہے ۔ جب اسلامی دنیا میں روحانی فکر و عمل کا آغاز ہوا یہ محفل علم الٰہیات کی مذہبی موشگافیوں اور قیاس آرائیوں تک محدود نہیں رہا بلکہ اس کے برعکس محمد رسول اللہ ﷺ نے بار بار مناظر فطرت کی وحیوں میں توجہ شمس و قمر اور فلکیاتی گردش کی جانب مبذول کرائی ہے اور یہ بتایا ہے کہ یہ سب معجزات الٰہیہ اور شعار ربانیہ کے مظاہر ہیں جنہیں انسانی خدمت کے لیے مسخر کر دیا گیا ہے ۔ غرض سائنس کی ترقی میں مسلمانوں نے جو شاندار اور عظیم کارنامہ انجام دیا ہے وہ ان کے مشاہدے اور تجربے پر محیط ہے جب کہ یونانیوں کو صرف نظریہ مادّیت کی تشہیر سے دلچسپی تھی ۔

مسلم محققین اور علماء سائنسی فعل کو تجربے اور مشاہدے کی کسوٹی پر پرکھتے تھے اس لیے حقیقی معنوں میں سائنسی طرز فکر اور طریقہ تدریس کی بنیاد مسلمانوں نے ہی ڈالی ۔

اس کے علاوہ ''تعمیر انسانیت (The Making of Humanity) کا مصنف بریفالٹ (Robert Briffault) بھی مسلمانوں کی سائنسی ترقی کا معترف ہے، اس سے یہ بات عیاں ہوگئی کہ یورپی مصنفوں کے بعض افراد کی غلط بیانیوں کی وجہ سے دنیا مدت تک یہ سمجھتی رہی ہے کہ سائنسی طریق تحقیق کے موجد یورپ کے لوگ ہیں لیکن سائنسی علوم کی تاریخ کے موضوع پر حال کی علمی تحقیق نے اس نا قابل تردید تاریخی حقیقت سے پردہ چاک کر دیا ہے کہ سائنسی طریق تحقیق جس کی بدولت موجودہ سائنسی علوم وجود میں آکر ترقی پزیر ہوئے ہیں مسلمانوں نے ایجاد کیا تھا اور یورپ کے حالیہ سائنسی علوم کی بنیاد بھی مسلمانوں نے رکھی تھی۔

دراصل مشاہدہ و مطالعہ کے لیے سب سے موثر آواز جو دنیا میں بلند کی گئی وہ قرآن مجید کی ہی آواز ہے:

''بے شک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں، رات اور دن کے تغیر میں اور کشتی میں جو سمندر میں لوگوں کو نفع دینے والے تجارتی مال کو لے کر چلتی ہے اور اس بات میں کہ اس نے زمین کے اوپر ہر قسم کے میوے پھیلا دیے ہیں اور ہواؤں کی تبدیلیوں میں اور بادل میں جو آسمانوں اور زمین کے درمیان ٹھہرا دیا گیا ہے عقل مندوں کے لیے نشانات ہیں''۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ کے نشانات ظاہر فرما رہا ہے اور ہم یہ باتیں بخوبی جانتے ہیں کہ سمندر میں چلنے والے بڑے بڑے تجارتی جہاز ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے ہیں ہواؤں کی تبدیلیوں سے مراد موسم میں تغیر و تبدل ہونا ثابت کیا گیا ہے اور پانی سے لدے ہوئے بادل اٹھنا اس بات کا شاہد ہے کہ سورج کی گرمی سے پانی بخارات بن کر جمع ہوتا رہتا ہے اور کافی عرصہ گزرنے کے بعد بادلوں کی صورت میں کثیف ہو کر بارش ہونے کا مظہر بنتا ہے اور کیوں کہ بادل ہواؤں کے رحم و کرم پر ہوتے ہیں اس لیے آسمان اور زمین کے درمیان معلق رہنا عقل میں آنے والی بات ہے۔ آسمانوں کے بارے میں بھی قرآن میں ارشاد ہے:

''وہ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو ایسے سہاروں کے بغیر قائم کیا جو تم کو نظر آتے ہوں'' (سورۃ الرعد)

با الفاظ دیگر آسمانوں کو غیر مرئی اور غیر محسوس سہاروں پر قائم کیا، بظاہر کوئی چیز فضائے بسیط (خلا) میں ایسی نہیں ہے جو ان بے حد و حساب اجرام فلکی کو تھامے ہوئے ہو مگر ایک

غیر محسوس طاقت ایسی ہے جو ہر ایک کو اس کے مقام ومدار پر روکے ہوئے ہے اور ان عظیم الشان اجسام کو زمین پر یا ایک دوسرے پر گرنے نہیں دیتی۔جدید ترین سائنس نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ آسمان نظر نہ آنے والی شے ہے اور یہ نیلی رنگ چاروں طرف پھیلا ہوا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ سورج کی روشنی سات رنگوں سے مل کر بنی ہے۔ان میں سے نیلا رنگ زمین کے گرد ہوا میں موجود ذرات جذب کر لیتے ہیں اور کیونکہ ہوا زمین کے چاروں طرف ہے اس لیے ہمیں نیلا رنگ چاروں طرف نظر آتا ہے جب کہ آسمان اس سے بھی اوپر بغیر کسی سہارے کے سینکڑوں کہکشاؤں پر مشتمل ہے۔آسمان اور زمین کی تخلیق اور رات اور دن کیسے وجود میں آتے ہیں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:''درحقیقت تمہارا ربّ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا پھر اپنی سلطنت پر متمکن ہوا، جو رات کو دن پر ڈھانک دیتا ہے اور پھر دن رات کے پیچھے دوڑا چلا آتا ہے، جس نے سورج، چاند اور تارے پیدا کئے۔سب اس کے فرمان کے تابع ہیں،خبردار رہو اسی کی خلق ہے اور اسی کا امر ہے۔بڑا بابرکت ہے اللہ سارے جہانوں کا مالک و پروردگار''۔ (سورۃ الاعراف: آیت نمبر:۵۴)

اس آیت میں دن رات کے پیچھے چلنے کو زمین کی محوری گردش سے منطبق کرنے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ زمین اپنے محور کے گرد گردش کرتی ہے تو سورج کی شعاعیں تغیر وتبدل کے ساتھ نمودار ہوتی ہیں جس سے دن رات بنتے ہیں۔زمین کے بارے میں سائنس دان یہ نظریہ بیان کرتے ہیں کہ سورج کے قریب سے بہت بڑا ستارہ گزرا،اس کی کشش ثقل کی وجہ سے سورج کا توازن بگڑ گیا اور اس کے کافی ٹکڑے جدا ہو کر مختلف فاصلوں پر گردش کرنے لگے اور کیونکہ سورج کی کشش سب پر حاوی رہی اس لیے سورج نے انہیں اپنی طرف گھومنے پر مجبور کیا ہوا ہے ان ٹکڑوں میں سے زمین بھی ہے۔اس وقت ایک گرم مادّہ کی صورت میں تھی مگر سالہا سال کے تغیر وتبدل کے بعد زمین کی اوپری سطح ٹھنڈی اور سخت ہو گئی لیکن اندرونی حالت بدستور گرم رہی۔جسکی وجہ سے آج تک زلزلہ اور آتش فشاں پہاڑ پھٹتے رہتے ہیں۔قدیم زمانے میں لوگ یہ سمجھتے تھے کہ ہماری زمین چپٹی ہے کیوں کہ حدِ نظر تک انہیں ہموار ہی نظر آتی تھی،لیکن

خدا کی عطا کردہ سمجھنے کی قوت اور مختلف ثبوت سے یہ بات پایہ تکمیل تک پہنچ چکی ہے کہ زمین ناشپاتی کی طرح گول ہے اور زمین کا محیط 40000 میٹر اور سطح کا رقبہ 315000000 مربع کلومیٹر ہے جس میں سے 8960000 میٹر خشکی اور باقی 307040000 کلومیٹر پانی ہے۔ زمین کا وزن 1021*5.98 میٹرک ٹن ہے۔ زمین اپنے محور پر گھومنے کے علاوہ 29.40 میٹر فی سیکنڈ کی رفتار سے سورج کے چاروں طرف گردش کرتی ہے وہ اس کا مدار ہے۔ زمین کا محور اس مدار پر ساڑھے 62 درجے جھکا ہوا ہے اسی لیے ہمارے دن رات میں فرق رہتا ہے۔ اگر زمین کا محور اس مدار ارضی پر عموداً واقع ہوتا تو ہر جگہ ۱۲ گھنٹے کی رات ہوتی اور اگر یہ محور مدار کے متوازی ہوتا تو نصف حصہ ہمیشہ روشن رہتا اور دوسرا نصف ہمیشہ تاریک رہتا لیکن ایسا نہیں ہے۔

میں نے کوشش کی ہے کہ سائنس بہ معنی علم اور جاننا کے قرآن مجید سے استفادہ کر کے یہ ثابت کیا جائے کہ سائنس کسی صورت میں بھی مختلف نظریہ نہیں رکھتی اور اگر کوئی نظریہ اب قرآن مجید سے مختلف ہے تو آج کل بہت سے سائنس دان قرآن مجید پر ریسرچ کر کے سائنس کو اس سے مربوط و ہم آہنگ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کیونکہ کمپیوٹر کے تجزیئے سے یہ بات عیاں ہوگئی ہے کہ آج جتنی بھی سائنسی ترقی ہو رہی ہے اس کا ماخذ قرآن ہے۔ قرآن کی ایک ایک آیت کی تشریح قرآن کی روح کے عین مطابق کی جائے تو بہت سے اسرار و رموز سے پردہ ہٹ جائے گا۔

قرآن مجید اور سائنس علیحدہ علیحدہ نہیں ہیں، کیونکہ قرآن کے مطالعہ اور تجزیہ سے ہمیں سائنس کے بنیادی اصول و ضوابط حاصل ہوتے ہیں انہیں ہم جدید ریسرچ سے زندگی کے تمام پہلوؤں پر پھیلا سکتے ہیں اب ہمارا کام ہے کہ قرآن کی ان تمام آیتوں کا جن میں سائنسی نکات پر بحث کی گئی ہے غور و فکر کر کے نتائج حاصل کریں اور آئندہ آنے والی نسل کو منتقل کریں دنیا کے ہر کونے میں قرآن مجید پر تحقیق ہو رہی ہے سنت نبوی پر کام ہو رہا ہے ہم مسلمان کیوں نہیں کر رہے؟ کمپیوٹر میں پورا قرآن مجید محفوظ کر لیا گیا ہے۔ آپ کسی بھی مسئلے میں قرآن مجید سے مدد حاصل کرنا چاہتے ہیں تو صرف کمپیوٹر کا بٹن دبانے سے متعلقہ آیت اور اس ترجمے و تشریح کے ساتھ سکرین پر نمودار ہو جائے گا۔ آپ کے مسئلے کا حل حاضر خدمت ہے اس سے زیادہ سہل اور آسان اور کیا بات ہوگی۔

گردوں کے فیل ہونے کے اسباب، علامات، علاج اور پرہیز

(مرسلہ: حافظ محمد یسین)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسان کو دو گردوں سے نوازا ہے۔ یہ اصل میں غدود ہوتے ہیں پسلیوں کے نیچے، پیٹ کیطرف، کمر میں دائیں اور بائیں طرف واقع ہوتے ہیں۔گردہ 11 سنٹی میٹر لمبا، کم و بیش 7 سنٹی میٹر چوڑا اور 2 یا 3 سنٹی میٹر موٹا ہوتا ہے۔ہر گردہ میں ۱۰ لاکھ سے زائد نالی دار غدود، نیفران، یا فلٹر (جھلی) ہوتے ہیں، گردوں میں ایک اندازے کے مطابق 24 گھنٹوں کے دوران 1500 لیٹر خون گزرتا ہے۔

گردوں کا کام جسم سے فاسد نقصان دہ، ضرورت سے زائد مادّوں کو خارج کرنا ہے۔

گردے جسم میں پانی اور نمکیات کا توازن برقرار رکھتے ہیں، مثلاً جسم میں کیلشیم، پوٹاشیم اور فاسفورس کی مقدار کے علاوہ پانی اور دیگر نمکیات وغیرہ کا ایک حد تک جسم میں رہنا ضروری ہوتا ہے۔ اس کی کمی وبیشی سے بہت امراض جنم لیتے ہیں، انسان زندہ نہیں رہ سکتا، گردوں کا کام ان مادّوں، نمکیات اور پانی میں توازن قائم رکھنا ہے۔گردے جسم کے لیے ایسے بہت سے مفید ہارمون پیدا کرتے ہیں۔اگر یہ ہارمون جسم میں کم ہوجائیں تو خون کی کمی کی بیماری پیدا ہوجاتی ہے۔

گردے فیل ہونے کی بہت سی وجوہات ہیں۔جن میں چند اہم درج ذیل ہیں۔

گردے کی جھلی کی سوزش جھلی فلٹر یا ممبران کے ایک طرف فاسد مادے ہوتے ہیں۔دوسری طرف شفاف مادّے جھلی کا کام فاسد مادّوں کو فلٹر کرنا ہے۔یہ جھلی اگر کام نہ کرے، کسی وجہ سے خراب ہوجائے تو اس کے ساتھ والی جھلیاں بھی خراب ہونا شروع ہوجاتی ہیں، جس سے گردہ کام کرنا چھوڑ دیتا ہے۔اس سے پیشاب کے اندر چربی یا خون آنا شروع ہوجاتا ہے گردہ فیل ہونے کی

سب سے زیادہ وجہ جھلی کی سوزش ہی بنتی ہے۔دوسری وجہ شوگر اور ہائی بلڈ پریشر ہے۔اگر شوگر کا مرض ہو تو اس کے عموماً 10 تا 15 سال کی مدت کے بعد مریض گردوں کی خرابی کا شکار ہو جاتا ہے اس لیے شوگر کے مریضوں کو بہت احتیاط کرنی چاہیے اور شوگر کنٹرول رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے۔اسی طرح بلڈ پریشر کی زیادتی کی وجہ سے بھی گردے خراب ہو جاتے ہیں،بلڈ پریشر کے مریضوں کو اپنا بلڈ پریشر کنٹرول رکھنا بے حد ضروری ہے۔ایسا نہ کرنے سے گردوں کے ساتھ ساتھ دل کا دورہ اور فالج بھی ہو سکتا ہے۔

موسم گرما میں جسم کو پانی کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے،کم پانی پینے سے جسم میں پانی کی کمی ہو جاتی ہے اور موسم سرما میں سردی کی وجہ سے کم پانی پیا جاتا ہے،جس سے جسم میں پانی کی کمی ہو جاتی ہے جو گردوں میں پتھری کا سبب بنتا ہے،یہ پتھری پیشاب کے ذریعہ خارج نہیں ہو سکتی، گردوں کی جھلی میں زخم بنتے ہیں، جو سوزش کا باعث بن جاتے ہیں جو رفتہ رفتہ گردوں کو فیل ہونے کی طرف لے جاتے ہیں۔یعنی پانی کی کمی گردوں کے فیل ہونے کا تیسرا بڑا سبب ہے۔ جھلی کی سوزش،شوگر، بلڈ پریشر، پانی کی کمی وغیرہ دیکھا جائے تو یہ سب پانی کی کمی کی وجہ سے ہوتا ہے علاوہ ازیں پانی کا صاف نہ ہونا بھی اس میں شامل ہے۔

لیکن گردوں کے فیل ہونے کا ایک بہت اہم سبب عطائی حکیموں، سنیاسیوں کے کشتہ جات، نامناسب نسخہ جات بھی وجہ بنتے ہیں۔بہت سے افراد ''سدا جوانی'' حاصل کرنے کے چکر میں اپنے گردے، جگر، ان اشتہاری معالجوں کی دی ہوئی ادویات کی نذر کر چکے ہیں۔

یہ تو مختصراً ذکر گردوں کے فیل ہونے کی وجوہات کا تھا اسی طرح گردوں کے فیل ہونے کی اقسام بھی ہیں مثلاً اچانک گردوں کا فیل ہونا، اس کی وجہ شدید گرمی میں پانی کی شدید کمی، خواتین میں زچگی کے دوران خون اور پانی کی کمی، ہائی بلڈ پریشر کا شدید دورہ اور سانپ کے کاٹ

لینے اور بہت زیادہ مشقت کرنے وغیرہ سے اچانک گردے فیل ہو سکتے ہیں۔ ایک اہم نقطہ یہ بھی قابل توجہ ہے کہ شوگر، ہائی بلڈ پریشر، جھلی کی سوزش وغیرہ سے مریض کے گردے پہلے سے کمزور ہوتے ہیں اس پر ذرا سی اونچ نیچ، مثلاً ناموافق دوا کھالینا، بلڈ پریشر کا گرجانا یا بڑھ جانا، بہت زیادہ پسینے کا آجانا، اس طرح کے حادثات سے وقتی طور پر اچانک گردے فیل ہو سکتے ہیں۔ گردوں کے فیل ہونے کی دوسری قسم ہے مستقل گردوں کی خرابی اس میں 50 فیصد تو گردے پہلے خراب ہوتے ہیں، جن کے مناسب علاج، پرہیز سے ان کو زیادہ دیر تک کارآمد رکھا جا سکتا ہے اور اگر ان کی دیکھ بھال نہ کی جائے تو رفتہ رفتہ گردے فیل ہو جاتے ہیں۔

یہ بات بہت قابل توجہ ہے کہ جب تک گردے 80 یا 90 فیصد تک تباہ نہ ہو چکے ہوں اس سے پہلے مریض کو اس کا علم ہی نہیں ہوتا وہ اپنا روزمرہ کا کام کرتا رہتا ہے، ایک گردہ ناکارہ بھی ہو جائے تو بھی دوسرا کام کرتا رہتا ہے، اسی طرح یہ بات بھی توجہ چاہتی ہے کہ جب گردے ایک بار مکمل ناکارہ ہو جائیں تو کوئی دوائی یا علاج اس کو صحیح حالت میں نہیں لاسکتا اس کا علاج پیوندکاری ہے

اگر کسی کو درج ذیل علامات میں سے کوئی علامت محسوس ہو تو اسے گردوں کے اسپیشلسٹ ڈاکٹر سے اپنا چیک اپ لازمی کروالینا چاہیے۔ کھانے کی خواہش کا ختم ہو جانا، یادداشت کی کمزوری، متلی اور قے کا آنا، چڑچڑاپن، تھکاوٹ کا محسوس ہونا، چہرے کا رنگ پیلا ہونا، خشک جلد، رات کو بار بار پیشاب آنا اور پیشاب میں رکاوٹ وغیرہ کا ہونا، شوگر کا مرض ہونا، بلڈ پریشر کی کمی زیادتی کا ہونا وغیرہ۔

گردوں کی بیماری کا علاج اس کی اقسام اور سٹیج کے مطابق کیا جاتا ہے۔ عام طور پر 50 فیصد گردوں کے فیل ہونے کا سبب شوگر، بلڈ پریشر، گردوں کا انفیکشن وغیرہ بنتا ہے اگر ان کا علاج کیا جائے تو اس سے گردوں کو مزید خراب ہونے سے بچایا جا سکتا ہے۔ گردوں میں پتھری ہو

تو اس کا علاج شعاعوں سے، آپریشن سے ممکن ہے، لیکن مکمل طور پر گردوں کے فیل ہونے کی صورت میں گردوں کی پیوند کاری ہی اس کا علاج ہے جس میں گردہ دینے والے اور لینے والے کا بلڈ گروپ ایک ہونا ضروری ہے گردہ دینے والے کا جتنا قریبی تعلق ہوگا اس کی پیوند کاری اتنی کامیاب ہوگی۔

گردوں کے درد میں آدمی ایسے تڑپتا ہے جیسے مچھلی بغیر پانی کے، جب ایسا کسی کو درد ہو تو گردہ کے مقام پر فوراً گرم پانی سے ٹکور کریں، مولی کا نمک چٹائیں، تمباکو کو اُبال کر نیم گرم مقام درد پر باندھ دیں اور ڈاکٹر کے پاس مریض کو لے جائیں، خیال رہے نیم حکیم کے پاس نہیں۔ الٹرا ساؤنڈ کروائیں۔ پھر ڈاکٹر کی ہدایات کے مطابق عمل کریں۔

ایسی تمام غذائیں جن میں فولاد زیادہ پایا جاتا ہے ان سے پرہیز کریں مثلاً گوشت، چاول، مکئی وغیرہ اس کے علاوہ سگریٹ نوشی، کولا کے مشروبات، شراب نوشی وغیرہ سے پرہیز کریں۔ موٹاپا، زیادہ دیر تک بیٹھے رہنا، ورزش نہ کرنے والے افراد پر دیگر امراض کی طرح گردوں کے فیل ہونے کے چانس زیادہ ہوتے ہیں۔ اس لیے صبح دو گلاس تازہ اور صاف پانی پینا، ہلکی پھلکی ورزش کرنا، دن میں بھی پانی پینا، کھانا کھانے کے فوراً بعد پانی نہ پینا چاہیے۔ رات کو سونے سے گھنٹہ بھر پہلے دو گلاس پانی پینا چاہیے، قبض نہ ہونے دیں۔ اسی طرح دیگر حفظانِ صحت کے اصولوں پر عمل کرنے سے بہت سے امراض سے بچا جا سکتا ہے۔ مختصر، صاف پانی کا زیادہ استعمال، ہر قسم کے نشہ سے پرہیز، متوازن غذا موٹاپے پر کنٹرول کرنے سے کافی حد تک اس مرض سے بچا جا سکتا ہے۔

اَمر بالمعروف و نہی عن المنکر

(ابواللیث سمرقندیؒ)

فقیہ ابواللیث سمرقندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ ربّ العزّت اپنے خاص بندوں کے سبب عام لوگوں کو بھی عذاب سے محفوظ رکھتے ہیں، مگر جب گناہ ظہور پذیر ہوجائے اور کوئی بھی اس کو منع نہ کرے تو پھر قوم کو عذاب میں مبتلا کیا جاتا ہے اور یہ بھی مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشع بن نون علیہ السلام سے وحی کے ذریعہ فرمایا کہ میں تیری قوم سے چالیس ہزار صالحین اور ساٹھ ہزار بدکردار لوگوں کو ہلاک کرنے والا ہوں۔ حضرت یوشع علیہ السّلام نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا اے الٰہ العالمین! بُرے لوگوں کو تو عذاب ہونا چاہیے، ان کی برائی کے سبب سے اچھے لوگوں کو کس وجہ سے عذاب دیا جائے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوا ''اس لئے کہ انہوں نے میری طرف کبھی غصہ کا اظہار نہیں کیا بلکہ یہ لوگ ان کے ساتھ خوردونوش کرتے رہتے ہیں۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''نیک عمل کا حکم کرتے رہو چاہے خود ہی نہ کرتے ہو اور برائی سے روکنا چاہیے چاہے خود نہ ہی رکو۔''

حدیث نبوی ﷺ ہے: ''بعض لوگ اچھائیوں کے پھیلنے اور برائیوں کے روکنے کا موجب ہوتے ہیں، پس ان لوگوں کیلئے خوشخبری ہے جنہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے بھلائی کا ذریعہ بنایا اور ان لوگوں کیلئے تباہی ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے تباہی کا موجب بنایا۔''

یعنی اَمر بالمعروف اور نہی المنکر پر عمل کرنے والا نیکی کو پھیلاتا ہے اور بدی کو روکتا ہے اور وہی سچا مومن ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''مومن مرد اور عورتیں آپس میں مددگار ہیں وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں۔'' اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''(اور وہ لوگ جو برائی کا حکم دیتے ہیں اور نیکی سے روکتے ہیں) وہ منافق ہیں مرد اور منافق عورتیں ایک طرح سے ہیں۔ یہ لوگ بُرائی کا حکم دیتے ہیں اور اچھائی سے منع کرتے ہیں۔''

حضرت علی المرتضیٰؓ کا فرمان ہے کہ نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا سب سے افضل ہے۔ اس سے فاسق جلتا ہے، پس نیکی کا حکم کرنے والا مومن کی پشت پر ہے اور برائی سے منع کرنے والا منافق کی ناک رگڑنے والا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضورﷺ نے فرمایا: ''جس قوم کا ایک شخص گناہ کرتا ہے اور وہ اسے منع کرنے کی طاقت رکھتے ہوئے بھی نہیں منع کرتے تو وہ سب موت سے پہلے عذاب الٰہی میں مبتلا ہونگے۔''

اس اُمت کی تعریف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''تم بہترین اُمت ہو، لوگوں کو اچھائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرنے کیلئے نکل کھڑے ہوتے ہو۔'' دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: '' اور تم میں سے ایک گروہ ایسا ہو جو اچھائی کی دعوت دے اور نیکی کا حکم کرے اور برائی سے روکے اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔''

ارشاد نبویﷺ ہے کہ: ''جب میری اُمت ظالم کو ظالم کہنا چھوڑ دیگی تو ان سے الگ ہو جانا۔''

حضرت ابو سعید خُدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریمﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص بُرائی کو دیکھے تو اسے ہاتھ سے روکے، اگر ایسا نہ کر سکے تو پھر زبان سے روکے اور اگر ایسا بھی نہ کر سکے تو اس کو دل سے بُرا جانے، یہ ایمان کا کمزور ترین فعل ہوگا۔''

نیکی کا حکم کرنے والے پر لازم ہے کہ اس کا مقصد خاص طور اللہ تعالیٰ کی رضا اور غلبہ دین کیلئے ہو۔ اس کی اپنی کوئی حاجت نہ ہو، جب وہ خالصتاً اللہ تعالیٰ کیلئے اور غلبۂ دین کیلئے

تبلیغ کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کا حامی و ناصر ہوگا اسے مزید توفیق سے نوازے گا اور اگر اس کی کوئی اپنی حاجت یا مقصد ہوگا تو اللہ تعالیٰ اسے اپنی استعانت سے محروم کردے گا۔

ابولیث سمرقندیؒ فرماتے ہیں کہ امر بالمعروف کا حکم دینے والوں کیلئے پانچ چیزیں نہایت ضروری ہیں:

پہلی چیز: علم ہے کیونکہ جاہل بہتر طریقے سے نیکی کا حکم بیان نہیں کرسکتا۔

دوسری چیز: داعی کا مقصد رضائے الٰہی اور غلبہ دین ہونا چاہیے۔

تیسری چیز: شفقت اور محبت کے ساتھ نیکی کی تبلیغ کرے اور غصہ نہ کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارونؑ سے فرمایا تھا کہ فرعون سے نرمی سے گفتگو کرنا۔

چوتھی چیز: صبر اور حوصلہ جیسا کہ اللہ عزّ وجل نے حضرت لقمان علیہ السلام کے واقعہ میں فرمایا کہ امر بالمعروف نہی عن المنکر کا حکم کیا کرو اور اس کے ضمن میں آنے والی تکالیف پر صبر کیا کرو۔

پانچویں چیز: جو کہے اس کا خود بھی عامل ہو، تا کہ دوسرے اس کو طعنہ نہ دیں اور وہ فرمان خداوندی: ''کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو مگر خود کو فراموش کرجاتے ہو۔''

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ معراج کی رات ایسے لوگوں کو دیکھا جن کے ہونٹ قینچیوں سے کاٹے جارہے تھے، میں نے پوچھا اے جبرائیل! یہ کون لوگ ہیں! عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ آپ کی اُمت کے خطیب (واعظ) لوگ ہیں جو لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہیں لیکن خود کو فراموش کرجاتے ہیں اور وہ اللہ کی کتاب تو پڑھتے تھے مگر اس پر عمل پیرا نہیں تھے۔''

جو دوسروں کو تو اعمالِ خیر کی دعوت دیتے ہوں لیکن خود بے عمل اور بدعمل ہوں، ان کے خلاف حسب استطاعت ہاتھ سے یا زبان سے جہاد کرنا اور کم از کم دل میں اس جہاد کا جذبہ رکھنا ایمان کے خاص شرائط اور لوازم میں سے ہے اور جو شخص اپنے دل میں بھی اس جہاد کا جذبہ نہ رکھتا

ہو،اس کا دل ایمان کی حرارت اور اس کے سوز سے گویا بالکل ہی خالی ہے۔

ہر مسلمان پر واجب ہے کہ جو برائیاں اس کے سامنے اس قسم کی ہوں جو زور وقوت سے روکی جاسکتی ہوں تو اگر اس کو وہ قوت حاصل ہو تو اس کو استعمال کر کے وہ برائی کو روکنے کی کوشش کرے اور اگر قوت حاصل نہ ہو تو پھر زبانی افہام وتفہیم سے کام لے اور اگر حالات میں اس کی گنجائش نہ ہو تو پھر کم از کم دل میں اس کے خلاف جذبہ اور سوزش ہی رکھے۔

روایت ہے کہ جب تم میں سے کسی نے برائی کو دیکھا لیکن اس کو روکنے کی طاقت نہیں رکھتا تو وہ تین دفعہ یہ کلمات ادا کرے: "یہ فعل کس قدر بُرا ہے۔" جب وہ ایسا کہے گا تو اسے امر بالمعروف ونہی عن المنکر جیسا ثواب حاصل ہوگا۔"

حضرت قیس بن ابی حازم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا ہے کہ تم لوگ مندرجہ ذیل آیت کریمہ: ترجمہ: "اے ایمان والو! تم اپنی جانوں کی فکر کرو۔" تو پڑھتے ہو لیکن اس کا مفہوم درست نہیں سمجھتے ہو اور میں نے حضور نبی کریم ﷺ سے سنا ہے کہ جس قوم میں گناہ ہوتا ہو اور وہاں ان کو منع کرنے والا کوئی نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس پوری قوم پر عذاب نازل کرتا ہے۔ جب حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کریمہ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ اس زمانہ میں نہیں، مگر جب خواہشات کی زیادتی ہوگی، جھگڑے عروج پر ہونگے تو پھر ہر کسی پر لازم ہے کہ وہ اپنی فکر کرے اس لئے کہ وہ تباہی کا زمانہ ہوگا۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں بتایا گیا کہ تورات میں مرقوم ہے: اے بنی آدم! تو دوسروں کو تو میرے ذکر کیلئے کہتا ہے لیکن خود مجھے فراموش کرجاتا ہے۔ دوسروں کو میری طرف بلاتا ہے، مگر خود مجھ سے بھاگتا ہے، یہ درست نہیں ہے"۔

حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ اور اسکے رسول ﷺ کیلئے اپنے گھر سے نکلا اور اپنی سواری کے رکاب میں پاؤں رکھ کر صرف ایک قدم ہی چلا تو لقمہ اَجل بن گیا تو اللہ تعالیٰ اسے

ہجرت کرنے کا اجر عنایت فرمائے گا اور جو شخص جہاد فی سبیل اللہ گھر سے نکلا اور لڑائی کرنے سے قبل اسے کسی جانور نے گرادیا اور وفات پا گیا تو وہ شہداء میں شمار ہوگا اور جو مسلمان بیت اللہ شریف کے حج کے ارادے سے نکلا تو وفات پا گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے جنت واجب کر دی''۔

(ماخوذ از تنبیہ الغافلین)

فرمودات عالیہ حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب

ایک شخص کیلئے سب سے بڑی نعمت اور دولت ''ایمان'' ہے جس کے ہوتے ہوئے وہ بظاہر اسباب راحت سے نا آشنا لیکن حقیقی لطف و کرم میں ہوتا ہے یہی ایمان ہے جو دنیا میں آدمی کو سنبھالتا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے آشنائی کے بعد ہر طرح کا اطمینان و سکون بخشتا ہے اور آخرت میں تو کامیابی صرف اہل ایمان ہی کے مقدر میں ہے۔

افسوس کہ ایمان جس قدر عظیم نعمت ہے اس کے بارے میں ہماری لاپرواہی اور غفلت اتنی ہی عام ہے کہ مجالس اور باہمی گفتگو میں ایسے جملے بول بیٹھتے ہیں جو کہ آدمی کو ایمان سے محروم کر دیتے ہیں اس لئے سنجیدگی کا موقع ہو یا طنز و مزاح کا ہر وقت اس بات کی فکر لازم ہے کہ میرا ایمان سلامت رہے۔ اہل اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو ایمان کا نور عطا فرمایا ہے، اس کی قدم قدم پر حفاظت کر کے قبر تک لے جانا ہے۔ اہل اللہ کی زندگی کا مطالعہ بتاتا ہے کہ ہمہ وقت مومنانہ صفات سے آراستہ ہونے کے باوجود ہر وقت ایمان پر خاتمہ کی فکر رہتی ہے اور ہمہ وقت اس کے لئے دُعا گو اور ہر آنے والے سے بھی ایمان پر خاتمہ کی دُعا کرتے ہیں۔

آئیے ایمان کی فکر کیجئیے

مجموعہ افادات (مرتب:محمد اسحاق ملتانی)

علامات ایمان

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: ایمان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: "جب تمہیں اپنے اچھے عمل سے مسرت اور برے کام سے رنج وقلق ہو تو تم مومن ہو"۔(مسند احمد)

ایمان کے خاص آثار اور علامات میں سے یہ ہے کہ آدمی جب کوئی نیک عمل کرے تو اسکے دل کو فرحت و مسرت ہو اور جب اس سے کوئی برا کام سرزد ہو جائے تو اس کو رنج و غم ہو، جب تک آدمی کے ضمیر میں یہ حس باقی رہے، سمجھنا چاہیے کہ ایمانی روح زندہ ہے اور یہ احساس اس کا ثمرہ ہے۔

تکمیل ایمان کی شرائط:

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا: آپ ﷺ فرماتے تھے کہ ایمان کا مزہ اُس نے چکھا اور اس کی لذت اُسے ملی، جو اللہ کو اپنا ربّ، اسلام کو اپنا دین اور محمد رسول اللہ ﷺ کو اپنا رسول اور ہادی ماننے پر دل سے راضی ہو گیا۔(**مسلم**)

ایمان میں خاص لذت اور حلاوت ہے، لیکن وہ ان ہی خوش قسمت لوگوں کو حاصل ہو سکتی ہے جنہوں نے پوری خوش دلی اور رضائے قلبی کے ساتھ اللہ کو اپنا مالک اور پروردگار اور حضرت محمد ﷺ کو نبی اور رسول اسلام کو اپنا دین اور زندگی کا دستور بنالیا ہو اللہ کی بندگی، حضور نبی کریم ﷺ کی اطاعت اور طریقہ اسلام کی پیروی کو ان کے دل نے اپنالیا ہو۔اللہ تبارک وتعالیٰ

ورسول اللہ ﷺ اور اسلام کے ساتھ ان کا تعلق محض رسمی اور موروثی یا محض عقلی نہ ہو بلکہ ان کے ساتھ دلی گرویدگی ہو۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایمان کی حلاوت اسی کو نصیب ہوگی جس میں تین باتیں پائی جائیں گی۔ ایک یہ کہ اللہ و رسول اللہ ﷺ کی محبت اس کو تمام ماسوا سے زیادہ ہو، دوسرے یہ کہ جس آدمی سے بھی اس کو محبت ہو صرف اللہ ہی کیلئے ہو اور تیسرے یہ کہ ایمان کے بعد کفر کی طرف پلٹنے سے اس کو اتنی نفرت اور ایسی اذیت ہو جیسی کہ آگ میں ڈالے جانے سے ہوتی ہے۔'' (بخاری و مسلم)

تشریح: ایمان کی حلاوت اسی آدمی کو حاصل ہو سکتی ہے جو اللہ و رسول ﷺ کی محبت میں ایسا سرشار ہو کہ ہر چیز سے زیادہ اُس کو اللہ و رسول ﷺ سے محبت ہو اور اس محبت کا اس کے دل پر ایسا قبضہ ہو کہ اگر کسی اور سے وہ محبت بھی کرے تو اللہ ہی کیلئے کرے اور اللہ کا دین اسلام اُس کو اتنا عزیز اور پیارا ہو کہ اس سے پھرنے اور اس کو چھوڑنے کا خیال اس کے لئے آگ میں گر جانے کے برابر تکلیف دہ ہو۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کو اپنے ماں باپ، اپنی اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ میری محبت نہ ہو۔'' (بخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی ہوائے نفس میری لائی ہوئی ہدایت کے تابع نہ ہو جائے۔'' (بخاری و مسلم)

حقیقی ایمان جب ہی حاصل ہو سکتا ہے اور ایمانی برکات تب ہی نصیب ہو سکتی ہیں کہ آدمی کے نفسی میلانات اور اس کے جی کی چاہتیں کلی طور پر ہدایاتِ نبوی ﷺ کے تابع اور ماتحت ہو جائیں۔

ھَوی (یعنی خواہشاتِ نفس) ھُدی (ہدایات) یہی دو چیزیں ہیں جن پر خیر و شر کے سارے سلسلہ کی بنیاد ہے اور جن سے انسانوں کی سعادت یا شقاوت وابستہ ہے۔ ہر گمراہی اور بدعملی اتباع ھویٰ کا نتیجہ ہے جس طرح کہ ہر خیر اور ہر نیکی اتباع ھدیٰ سے پیدا ہوتی ہے۔ لہٰذا حقیقی ایمان جب ہی نصیب ہوسکتا ہے کہ ھویٰ کو (یعنی اپنی نفس کی چاہتوں کو) ھدیٰ کے (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہوئی ہدایات و تعلیم) کے تابع کردیا جائے اور جس نے ھدیٰ کو چھوڑ کر ھویٰ کی غلامی اختیار کی اور بجائے ربّانی ہدایات کے وہ نفسانی خواہشات کے تابع ہوگیا تو گویا خود ہی اُس نے مقصدِ ایمان کو پامال کردیا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

''تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اپنے بھائی کیلئے وہی نہ چاہے جو اپنے لئے چاہتا ہے۔'' (بخاری و مسلم)

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

''کامل ایمان جب نصیب ہوگا جبکہ یہ تین باتیں پیدا ہوجائیں: ایک اللہ ہی کیلئے دوستی اور دشمنی، دوسرے زبان کا یادِ الٰہی میں مشغول رکھنا، تیسرے بندگانِ خدا کی ایسی خیر خواہی کہ جو اپنے لئے چاہے وہی سب کیلئے چاہے اور اپنے لئے پسند نہ کرے وہ کسی کیلئے نہ چاہے۔''

تشریح: جس شخص نے اپنے حرکات و سکنات اور اپنے جذبات کو اسی طرح مرضی الٰہی کے تابع کردیا کہ وہ جس سے تعلق جوڑتا ہے اللہ ہی کی رضا کیلئے جوڑتا ہے اور جس سے توڑتا ہے اللہ ہی کیلئے توڑتا ہے، جس کو دیتا ہے اللہ ہی کیلئے دیتا ہے اور جس کے دینے سے ہاتھ روکتا ہے صرف اللہ ہی کی خوشنودی کے لئے روکتا ہے، غرض جس کے ایجابی اور سلبی قلبی رجحانات اور جذبات مثلاً محبت اور عداوت اور اسی طرح مثبت و منفی اور ظاہری افعال و حرکات مثلاً کسی کو کچھ دینا یا نہ دینا، یہ سب اللہ ہی کے واسطے ہونے لگیں اور صرف رضائے الٰہی کے علاوہ کوئی اور محرک اور داعیہ اس کے اعمال و افعال کے لئے نہ رہے۔ الغرض تعلق باللہ اور کامل عبدیت کا یہ مقام جس کو

حاصل ہوجائے اس کا ایمان کامل ہوگیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

"تم جنت میں نہیں جاسکتے جب تک کہ صاحب ایمان نہ ہوجاؤ اور تم پورے مومن نہیں ہوسکتے جب تک کہ تم میں باہم محبت نہ ہو، کیا میں تمہیں ایک ایسی بات نہ بتلاؤں کہ اگر اُس پر عمل کرنے لگو تو تم میں باہمی محبت پیدا ہوجائے، وہ بات یہ ہے کہ تم اپنے درمیان سلام کو پھیلاؤ اور اس کو عام کرو۔" (رواہ مسلم)

ایمان کا دعویٰ کرنے والی کسی قوم اور معاشرہ کے ایمان کی تکمیل کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ ان میں باہم محبت ومودت ہو، اگر ان کے دل ایک دوسرے کی محبت سے خالی ہیں تو سمجھنا چاہیے کہ وہ حقیقت ایمان اور اس کے برکات وثمرات سے بےنصیب ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: مسلمانوں میں زیادہ کامل ایمان اُس کا ہے جس کے اخلاق زیادہ اچھے ہیں۔" (ابوداؤد۔ دارمی)

کمال ایمان کا انحصار حسن اخلاق پر ہے۔ اخلاق میں جو جتنا بلند ہوگا اسی قدر اس کا ایمان کامل ہوگا یا یوں کہہ لیجئے کہ حسن اخلاق کمال ایمان کا لازمی نتیجہ ہے۔ لہٰذا جس شخص کا ایمان جتنا کامل ہوگا اُسی کی نسبت سے اس کے اخلاق بلند ہونگے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ کسی شخص کو ایمان کی حقیقت تو نصیب ہو لیکن اس کے اخلاق اچھے نہ ہوں۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: آدمی کے اسلام کی خوبی اور اسکے کمال میں یہ بھی داخل ہے کہ وہ فضول اور غیر مفید کاموں اور باتوں کا تارک ہو۔"

(رواہ ابن ماجہ۔ترمذی، شعب الایمان)

انسان اشرف المخلوقات ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو بہت قیمتی بنایا ہے اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ انسان کو وقت کا اور صلاحیتوں کا جو سرمایا دیا گیا ہے وہ اس کو بالکل ضائع نہ کرے بلکہ

صحیح طور سے اس کو استعمال کر کے زیادہ سے زیادہ ترقی اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور قرب حاصل کرے۔ یہی دین کی تمام تعلیمات کا حاصل اور لب لباب ہے اور یہی ایمان اور اسلام کا مقصد ہے، اس لئے جو خوش نصیب یہ چاہے کہ اس کو ایمان کا کمال حاصل ہو اور اس کے اسلام کے حسن پر کوئی داغ دھبہ نہ ہو تو اس کیلئے ضروری ہے کہ کھلے گناہوں اور بد اخلاقیوں کے علاوہ تمام فضول اور غیر مفید کاموں اور باتوں سے بھی اپنے آپ کو بچائے رکھے اور اپنے وقت اور اپنی تمام خداداد قوتوں اور صلاحیتوں کو بس ان ہی کاموں میں لگائے جن میں خیر اور منفعت کا کوئی پہلو ہو یعنی جو معاد یا معاش کے لحاظ سے ضروری یا مفید ہوں۔

جو لوگ غفلت سے لایعنی باتوں اور بے حاصل چیزوں میں اپنا وقت اور اپنی قوتیں صرف کرتے ہیں وہ نادان جانتے نہیں کہ اللہ نے ان کو کتنا قیمتی بنایا ہے اور وہ اپنے کیسے بیش بہا خزانہ کو مٹی میں ملاتے ہیں۔ اس حقیقت کو جنہوں نے سمجھ لیا ہے، بس وہی دانا اور عارف ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بہت کم ایسا ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا ہو اور اُس میں یہ ارشاد نہ فرمایا ہو کہ: ”جس میں امانت کی خصلت نہیں، اس میں ایمان نہیں اور جس میں عہد کی پابندی نہیں، اس میں دین نہیں۔“ (شعب الایمان بیہقی)

امانت داری اور عہد کی پابندی سے کسی آدمی کا خالی ہونا دین و ایمان کی حقیقت سے اس کی محرومی اور بے نصیبی کی دلیل ہے کیونکہ امانتداری اور ایفائے عہد ایمان و اسلام کے لوازم میں سے ہیں۔ ایسا شخص اسلام کے دائرے سے بالکل خارج نہیں ہوا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ شخص ایمان کی اصل حقیقت اور اس کے نور سے بے نصیب ہے جس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ اس کا ایمان بہت ہی ناقص درجے کا ہے بے جان ہے۔

سچّا ربّ ﴿ایمان افروز کہانی﴾

(آصف خورشید)

آج اس کا وہ شہر جہاں اس نے بچپن گزارا، جوانی کے دن گزارے، دشمن کے قبضے میں آچکا تھا۔اس کے قتل کا اعلان بھی کیا جا چکا تھا۔اگر وہ شہر سے فرار نہ ہوتا تو یقیناً اسے قتل کر دیا جاتا۔چنانچہ اس نے ہمسایہ ملک میں پناہ لینے کا فیصلہ کرلیا۔اس کا ذہن ماضی کی طرف چلا گیا۔کبھی اس کے باپ کا شمار شہر کے سرداروں میں ہوتا تھا۔اسی کے مشورے سے فیصلے ہوا کرتے تھے۔دنیا بھر سے حج کیلئے آنے والوں کو ستو گھول کر پلانے اور شربت سے تواضع کرنے کی وجہ سے اسے ایک اعلیٰ مقام حاصل تھا۔

اس کا باپ اپنے ہی قبیلے کے ایک شخص سے شدید نفرت کرتا تھا۔وہ شخص صادق اور امین تھا،لیکن اس کے باپ کا کہنا تھا کہ اس کی وجہ سے ہمارے باپ دادا کا دین مٹتا جا رہا ہے۔ ہمارے خداؤں کی تحقیر ہو رہی ہے۔چنانچہ قریش کے ان سرداروں نے مختلف طرح کے ظلم وستم کے ذریعے اس شخص اور اس کے ماننے والوں کو شہر سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔پھر اس کی آنکھوں میں وہ منظر گھوم گیا جب اس کا باپ اپنے اسی دشمن کے خلاف جنگ کرتے ہوئے بے بسی کی حالت میں مارا گیا۔حیران کن بات یہ تھی کہ اسے قتل کرنے والا کوئی عظیم اور بہادر شہسوار نہیں بلکہ بہت ہی چھوٹی عمر کے دو بچے تھے۔اس کی آنکھوں کے سامنے ان بچوں نے برق رفتاری سے حملہ آور ہو کر اس کے باپ کو قتل کر دیا۔اس جنگ میں شکست کھانے کے بعد انہیں میدان چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔حتیٰ کہ وہ اپنے باپ کی لاش سمیت تمام سرداروں کی لاشوں کو میدان میں ہی چھوڑ کر بھاگ نکلا۔اس کے بعد اس کے دل میں انتقام کی آگ بھڑکتی رہی۔وہ ہر روز اپنے ہتھیاروں کی طرف دیکھتا اور ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہتا: ''وہ وقت کب آئے گا جب میں اپنے باپ کی موت کا انتقام لوں گا۔؟!!!

بدلے کی اسی آگ میں جلتا ہوا وہ اپنے سردار کے پاس پہنچا اور اسے بزدلی کا طعنہ دیتے ہوئے کہنے لگا: ''آخر کیا بات ہے، ہم حملے کیلئے لشکر لے کر کیوں نہیں نکلتے ، کیا ہماری تلواریں زنگ آلودہوگئی ہیں؟ کیا ہمارے جوانوں کے بازوؤں میں طاقت نہیں رہی؟''

سردار نے پوچھا ! ''بتاؤ تم لشکر تیار کرنے کیلئے کیا سامان دو گے؟''

اس کے دل میں تو انتقام کی آگ سلگ رہی تھی ۔کہنے لگا: ''اپنا تجارت کا سارا مال میں لشکر کیلئے دیتا ہوں ۔'' سردار نے اعلان کروادیا، جنگ کی تیاری ہونے لگی ۔ہر آدمی اپنے اپنے ہتھیاروں کو تیز کرنے لگا:

آخر وہ دن آ پہنچا،لشکر تیار ہوکر میدان جنگ کی طرف نکلا ۔اس نے بھی اپنا گھوڑا تیار کیا ۔تیر کو زہر آلود کیا اور تلوار اپنے بدن پر سجا کر نکلا ۔

دوسری طرف سے بھی لشکر نکلا۔ دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے ، اسے یقین تھا کہ کئی مہینوں کی تیاری کے بعد ان کا لشکر فتح حاصل کر لے گا۔ ان کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی۔ تلواریں، تیر اور دوسرے جنگی سامان سے ان کا لشکر لیس تھا، جبکہ دوسری طرف کمزور اور نہتے جن کے پاس جنگ کا سامان بھی مکمل نہیں تھا،لہٰذا آج وہ اپنے باپ کا انتقام ضرور لے سکے گا۔

جنگ شروع ہوئی تو سامنے والے لشکر نے بھرپور حملہ کیا۔قریب تھا کہ ان کی فوج شکست کھا جاتی لیکن دشمن کے ایک دستے سے غلطی ہوگئی اور جنگ میں غلطی کا فائدہ مخالف لشکر کو ہی ملتا ہے ۔لہٰذا کمانڈر خالد بن ولید (اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے) کے ساتھ مل کر ایک بھرپور حملہ کیا گیا ۔اس دفعہ مخالف دشمن کو کافی نقصان اُٹھانا پڑا۔لیکن اس کے باوجود بھی وہ جنگ جیت نہ سکے لہٰذا انہیں میدان جنگ سے پھر دوبارہ واپس آنا پڑا۔اس کے انتقام کی آگ ٹھنڈی نہ ہو سکی۔

دن گزرتے گئے، جنگیں بھی ہوئیں، لیکن وہ اپنی شکست کا بدلہ نہ لے سکے اور آج دشمن نے حیران کن کامیابی حاصل کر لی اور اس کا لشکر ان کے گھروں تک پہنچ چکا تھا، اس کے شہر کا محاصرہ کیا جا چکا تھا اور دور دُور تک دشمن کی فوج نظر آ رہی تھی ۔

شہر کے ایک معزز شخص کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو معافی مل چکی تھی، لیکن اس کے جرم اس قدر زیادہ تھے کہ لشکر کے سپہ سالار کی طرف سے اعلان کر دیا گیا تھا کہ اگر وہ خانہ کعبہ کے مقدس پردوں کو بھی پکڑ لے تو بھی قتل کر دیا جائے۔ اب فرار کے علاوہ کوئی راستہ نہیں تھا۔ جان بچانے کی فکر میں اس نے اپنی بیوی کی بھی پرواہ نہیں کی۔ لیکن اس کے ذہن میں سوال اُٹھ رہے تھے...... اب پیچھے اس کی بیوی کیا کرے گی؟ کیا وہ اپنے شہر واپس آئے گا؟ یہی سوچتے ہوئے وہ چلتا چلتا سمندر کے کنارے پہنچ گیا۔ اسے یہ بھی پتا نہیں تھا کہ وہ کہاں جائے گا۔ اس کے اس سفر کی منزل کون سی ہوگی۔ کشتی میں بیٹھتے ہی اس نے اپنے معبود، لات ومنات کو پکارا اور کشتی چل پڑی۔ ابھی تھوڑا ہی راستہ طے ہوا تھا کہ طوفان نے آگھیرا اور کشتی ایک خطرناک بھنور میں پھنس گئی۔ ہر طرف سے چیخ و پکار شروع ہوگئی...... لوگ اپنے اپنے خود ساختہ خداؤں کو پکارنے لگے۔ اس نے بھی جلدی جلدی اپنے خداؤں، لات، منات، اور عزیٰ کو پکارنا شروع کر دیا۔ لیکن طوفان بڑھتا ہی جا رہا تھا کہ ملاح نے آواز دی: اے پردیسی! کیا تم نہیں جانتے کہ ایسی حالت میں یہ ربّ کچھ نہیں کر سکتے۔'' ''تو پھر کون سا ربّ ہے جو ہماری فریاد سنے گا؟''

اس نے حیران ہو کر ملاح سے پوچھا: وہی جو محمدﷺ کا ربّ ہے۔ ملاح نے جواب دیا۔

ملاح کا جواب سن کر وہ سوچ میں پڑ گیا۔ اسی کی وجہ سے تو وہ سب کچھ چھوڑ کر آیا ہے۔ اگر اس خطرناک طوفان میں لات ومنات اور عزیٰ کی بجائے محمدﷺ کا ربّ ہی اس پکار کو سنتا ہے اور انہیں خطرناک طوفان سے بچاتا ہے تو پھر وہ سچا ربّ ہو سکتا ہے۔ اس کے دل میں ایک روشنی پیدا ہوئی۔ اگر لات، منات اور عزیٰ مشکل میں اس کی مدد نہیں کر سکتے تو پھر وہ سچے ربّ نہیں ہو سکتے۔ اس نے واپس آجانے کا فیصلہ کر لیا۔

اللہ کی رحمت سے طوفان تھم گیا۔ وہ فوراً واپس پہنچا۔ جونہی ساحل پر اُترا تو دُور سے اُسے اپنی بیوی آتی ہوئی دکھائی دی۔ اس کے چہرے پر خوشی کے آثار تھے، آتے ہی اس نے کہا: عکرمہ! محمد رسول اللہﷺ نے تمہیں معاف کر دیا ہے اور میں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔

کیا میری بھی غلطیاں معاف ہو سکتی ہیں؟ میں تو اسلام کو مٹانے کیلئے ہر حربہ آزماتا رہا اور محمد ﷺ کو نقصان پہنچانے کیلئے لشکر تیار کرتا رہا۔ کیا وہ سب کچھ معاف ہو جائے گا۔!!؟

عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حیران ہو کر پوچھا!

ہاں! وہ سب معاف کر دیا گیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ تمہیں محمد ﷺ نے پناہ بھی دے دی ہے۔ اس کی بیوی نے جواب دیا۔

عکرمہ کے دل میں پیدا ہونے والی روشنی اب ایمان کے نور میں تبدیل ہو چکی تھی۔ اس نے فوراً کہا: ''مجھے اس رحم دل نبی ﷺ کے پاس لے چلو! ''

عکرمہ کی بیوی اسے لے کر اس عظیم محسن محمد رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچی۔ اپنے جان نثاروں کے گرد یہ عظیم سپہ سالار جس کے چہرے پر غرور و فخر کی بجائے ہلکی سی مسکراہٹ تھی، یوں بیٹھا تھا جیسے ستاروں کے جھرمٹ میں چاند ہو۔

عکرمہ کو یوں آتے دیکھ کر اس کے جاں نثاروں نے فوراً تلواریں نکال لیں کہ کہیں یہ رسول اللہ ﷺ کو نقصان نہ پہنچا دے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عکرمہ کو آنے دو! یہ اسلام قبول کرنے کیلئے آ رہا ہے۔

یہ عکرمہ رضی اللہ عنہ تھے جو اسلام کے بدترین دشمن قریش کے سردار ابو جہل کے بیٹے تھے جنہوں نے کفر چھوڑ کر اسلام کے موتیوں سے اپنے دامن کو بھر لیا اور پھر آقائے دو جہاں کے صحابی بن گئے۔

☆---☆---☆---☆

اُمیدیں اور خواہشیں

(شاہد زبیر)

"تو تم زمین سے چمٹ کر رہ گئے، کیا تم نے آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کو پسند کرلیا۔ایسا ہے تو تمہیں معلوم ہو کہ دنیاوی زندگی کا یہ سامان آخرت میں بہت تھوڑا نکلے گا"

(سورہ توبہ)

کسی بزرگ نے کہا ہے کہ تو دنیا کی جس چیز کا مالک بنتا ہے، یاد رکھ! تجھ سے پہلے بھی اس کا کوئی مالک تھا اور تیرے بعد بھی اس کا مالک ہوگا، لیکن انسان کی دنیا سے محبت اور زندگی سے جڑی ہوئی لمبی آرزوئیں اس بات کا ادراک نہیں رکھتیں کہ موجودہ دنیا بھی لوگوں کے ساتھ اسی طرح گزر جائے گی جس طرح پہلے لوگوں کے ساتھ گزر رہی ہے۔

"یہ لوگ دنیاوی زندگی میں مگن ہیں حالانکہ دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلے میں ایک متاعِ قلیل کے سوا کچھ بھی نہیں"۔ **(سورہ رعد)**

اس کے مصائب کا ایک نہ ختم ہونے والا تسلسل ہے۔اس کی حقیقت سے وہی آشنا ہے جو اپنے نفس کی ماہیت کو جانتا ہے، جس نے معرفت الٰہی حاصل کرلی ہے۔حق تعالیٰ کی محبت اور دنیا کی محبت کبھی ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتیں۔سورۃ توبہ میں فرمان ہوتا ہے۔

"تو تم زمین سے چمٹ کر رہ گئے، کیا تم نے آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کو پسند کرلیا۔ایسا ہے تو تمہیں معلوم ہو کہ دنیاوی زندگی کا یہ سامان آخرت میں بہت تھوڑا نکلے گا"

دنیا میں ان کا مقصود صرف عارضی قیام اور زادِ آخرت اکٹھا کرنا ہے، یہ تو محض حق تعالیٰ کی بارگاہ کے مسافروں کا راستہ ہے۔

"دنیا کے چند روزہ مزے ہیں (لوٹ لو) پھر ہماری طرف تمہیں پلٹ کر آنا ہے"۔(سورہ یونس)

خسارے میں رہنے والا انسان برتن، زیور، نقدی، مکانات و حیوانات سے محبت کرتا ہے ۔ اپنی زینت بڑھاتا ہے ۔ زیادہ سے زیادہ انسانوں پر غلبہ حاصل کرتا ہے ۔ یہی دنیا کے تمام بکھیڑوں اور جھگڑوں کی بنیاد ہیں ۔موت انسان کے تعاقب میں ہے لیکن کم لوگ اس کی تیاری میں مصروف ہیں ۔ ہمارے اندر بے شمار امراض پل رہے ہیں ۔جس قدر دنیا کی محبت بڑھتی جاری ہے، اسی قدر دین کی فکر کم ہوتی جارہی ہے ۔حب دنیا، دین سے کلی طور پر بے فکر کردیتی ہے ۔ ہم مال و دولت اور اولاد کی محبت میں گرفتار اپنے اندر منافقانہ اوصاف کی پرورش کررہے ہیں ۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ان کے مال و دولت اور ان کی کثرت اولاد کو دیکھ کر دھوکا نہ کھاؤ، اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ انہی چیزوں کے ذریعے سے ان کو دنیا کی زندگی میں بھی مبتلائے عذاب کرے"۔(سورہ توبہ)

اہل آخرت دنیا کو خود پر حرام سمجھتے ہیں کیونکہ اہل آخرت دنیا پر حرام ہیں ۔قیامت کے روز ہر غلامی اور ہر ہلاکت سے نجات ملنے والی ہے، اسی لئے وہ ہمہ وقت منزل کیلئے سامانِ سفر اکٹھا کرنے کی فکر میں رہتے ہیں حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جس چیز میں فی الحال حظِ نفس اور آخرت میں اس کا کوئی ثمرہ مرتب نہ ہو، وہ دنیا ہے''

آپ ﷺ نے صحابہؓ سے پوچھا:

''کیا تم سب چاہتے ہو کہ جنت میں چلے جاؤ؟''

صحابہ نے عرض کیا ''جی ہاں''

فرمایا! پھر امید کو چھوڑ رکھو۔

''تم نے جس طرح دنیا میں صبر سے کام لیا، اسی کی بدولت آج تم اس کے مستحق ہوئے ہو۔ پس کیا ہی خوب ہے یہ آخرت کا گھر'' (رعد)

امیدوں کو چھوٹا رکھنا خواہشات پر قابو پاتا ہے ۔ جذبات اور میلانات کو حدود کا

پابند بنا کر خدا کی نافرمانی کے دروازے بند کرتا ہے شر کی حفاظت خیر سے کرتا ہے۔جھوٹ کو سچ سے دباتا ہے۔خیانت پر دیانت کو حاوی کرتا ہے۔آپ ﷺ نے نصیحت فرمائی۔''لوگو! تم اللہ سے حیا نہیں کرتے ،اس قدر جمع کرتے ہو جو کھاتے نہیں اور امیدیں وہ باندھتے ہو جو پوری نہیں کر سکتے''۔

''اور ایسے سب لوگوں کیلئے بڑا عذاب ہے، یہ اس لئے کہ انہوں نے آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کو پسند کرلیا'' (سورہ نحل)

دنیا سے آگاہ جانتے ہیں کہ یہ خود کو آراستہ رکھتی ہے۔اس کی جڑ میں امتحانات پوشیدہ ہیں۔ہم جانتے ہیں کہ اس کو جڑ سے چھوڑنا پڑے گا۔یہاں کے سب مہمان مٹی میں دفن کر دیئے جائیں گے۔تب وہ پکار نہیں سکتے ،مدد نہیں مانگ سکتے، اپنے اعمال کا کفارہ ادا نہیں کر سکتے، انہوں نے اپنے بدن کو ہلاک کرنے والی چیزوں سے محفوظ نہیں رکھا۔ان کے دلوں میں ایسی بیماریاں بیدار ہیں جو بالآخر ان کی ہلاکت کا سبب بنیں گی۔ان کے دل دنیا کی رنگینیوں میں مشغول رہے۔ان کے دلوں پر جھوٹی تمناؤں نے قبضہ کرلیا تھا۔ان کے دل سے موت کی یاد کھو چکی تھی۔دنیا کا مال ان کا دشمن تھا مگر وہ اس کے عاشق تھے۔ان کی خواہشوں او رنفسیاتی آرزوؤں نے انہیں گھیرے میں لئے رکھا۔موت ان کی تلاش میں تھی مگر وہ غافل تھے۔وہ موت سے دشمنی رکھتے تھے اور خود کو ہمیشہ بہلا پھسلا کر اپنی آرزوؤں کے مطابق ڈھال لیتے تھے۔

"جو لوگ بس اس دنیا کی زندگی او راس کی خوشنمائیوں کے طالب ہوتے ہیں ،ان کی کارگزاری کا سارا پھل ہم یہیں ان کو دے دیتے ہیں اور اس میں ان کے ساتھ کوئی کمی نہیں کی جاتی مگر آخرت میں ایسے لوگوں کے لئے آگ کے سوا کچھ نہیں"۔ (سورہ ہود)

یہ دنیا بظاہر بڑی دلچسپ اور رنگا رنگ ہے۔چاہنے والوں کے سامنے ہمہ وقت رقص کناں ہے اور دیکھنے والے کے دل میں گھر کر لیتی ہے۔اس کی رنگینیاں عقلوں کو مغلوب کر لیتی ہیں جن سے رزائل پیدا ہوتے ہیں۔اس کی محبت اللہ اور اس کے ذکر سے غافل کر دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے دنیا کی تمام چیزوں کو زمین کی زینت کا سامان بنایا تاکہ لوگوں کو

آزمالیں کہ کون ان پر فریفتہ ہو کر آخرت کو ضائع کرتا ہے اور کون بقدر ضرورت سفر کا توشہ سمجھ کر اپنی عاقبت کو سنوارتا ہے۔اس کی حقیقت محض بچے کا تھوڑی دیر کا کھیل کود ہے، اس کی کامرانیاں، عیش وعشرت، جاہ وحشمت دل کا بہلاوہ ہیں۔

"اور یہ دنیا کی زندگی کچھ نہیں ہے مگر ایک کھیل اور دل کا بہلاوہ"۔(سورہ عنکبوت)

"اور آخرت کی پیشی کو جھٹلایا جن کو ہم نے دنیا کی زندگی میں آسودہ کر رکھا تھا"۔ (سورہ المومنون)

اس لئے آپ ﷺ نے دنیا کی لذتوں کے اندر مشغول رہنے کو حرام قرار دیا کیونکہ ان کی کثرت آخرت کو بھلا دیتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ نے موت کو کثرت سے یاد کرنے کا حکم فرمایا کیونکہ صرف موت کی یاد ہی دنیا کی لذتوں کو قطع کر سکتی ہے۔آپ ﷺ نے کوڑے کے ڈھیر سے ایک بوسیدہ کھوپڑی جس پر کچھ ہڈیاں پڑی تھیں، اٹھا کر صحابہؓ سے فرمایا "یہ دنیا ہے"۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت نوح علیہ السلام سے کہا "اے انبیاء کرام میں طویل عمر پانے والے! آپؑ نے دنیا کو کیسا پایا۔فرمایا "جیسے ایک مکان ہو۔اس کے دو دروازے ہوں۔ایک سے اندر آیا اور دوسرے سے باہر نکل گیا"۔حیرت ہے کہ جب زندگی کی حقیقت صرف اتنی ہے جیسے اک خواب تو اتنی لمبی لمبی امیدیں باندھنا اور اس دنیا کی آرزو رکھنا جو فنا کے دروازے پر کھڑی اس کے باشندوں کو آخرت کے اندھیروں میں دھکیلتی ہے، پھر بھی ہم ہر لمحہ کم ہوتی ہوئی زندگی کی مہلت سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔حُبِ دنیا میں ہمارا مزاج بدلتا جاتا ہے۔ دل روگی ہوتے جاتے ہیں۔مذموم اشیاء دل میں گھر کرتی جاتی ہیں اور ختم ہوتی جاتی ہیں۔

سورۃ التکاثر میں ارشاد ہوا:

"تم لوگوں کو زیادہ سے زیادہ ایک دوسرے سے بڑھ کر دنیا حاصل کرنے کی دھن نے ذلت میں ڈال رکھا ہے۔یہاں تک کہ (اسی فکر میں) تم لب گور تک پہنچ جاتے ہو"۔

ہم معیارِ زندگی بلند کرنے کی فکر میں ہیں۔ ہمیں زیادہ سے زیادہ جسمانی لذتوں کا سامان مطلوب ہے اور ہم نے ساری زندگی اس بات کے لئے وقف کر رکھی ہے کہ سامانِ عیش اور وسائل قوت واقتدار حاصل ہو۔ دنیا کے معاملات میں محو ہو کر اپنی عاقبت سے آنکھیں بند کر لینا ایمان کے برعکس ہے۔ اس نادانی کا سدباب فکر اور معرفت کے حصول سے کیا جا سکتا ہے۔ یہ جان لینا ضروری ہے کہ موت کسی اور کے اختیار میں ہے اور زندگی کی مہلت نامعلوم۔ دنیا کی قیمت اللہ کا غضب، اس کی ناراضگی، اس کی لعنت اور اس کا عذاب ہے۔ اسی لئے منع کر دیا گیا ہے کہ کل کی روزی جمع نہ کی جائے کیونکہ اگر زندگی باقی ہے تو رزق بھی باقی ہے اور زندگی باقی نہیں تو جمع کی ضرورت نہیں۔ دوسروں کے لئے اپنے گلے عذاب لینا دانشمندی نہیں۔

موت اچانک آجاتی ہے پھر بھی لوگ مال وزر کی تحصیل وصولی، اس کی نگہبانی اور جمع شدہ کا لطف اٹھانے پر خوش ہیں۔ حالانکہ نصیحت آچکی ہے۔ تقریباً ایک تہائی قرآن اس دنیا کی گمراہیوں اور دلفریبیوں کی آگاہی سے پر ہے۔ یہ دنیا اللہ کی طرف سے غفلت پیدا کرتی ہے قیامت اور حشر سے بیگانہ رکھتی ہے۔ قرآن کا سارا نظم، مادہ پرست زندگی سے احراز اور دنیاوی زندگی کو سنوارنے کی تعلیم دیتا ہے۔ دنیاوی معاملات میں مصروف رہنا اور عاقبت سے بے خبر ہو جانا، دین اسلام کے بالکل برعکس ہے۔

اصل میں باقی رہ جانے والی نیکیاں ہی تیرے رب کے نزدیک نتیجے کے لحاظ سے بہتر ہیں"۔
(سورہ کہف)

حضورﷺ کی ساری دعوت کی بنیاد ہی یہ ہے کہ رب کریم نے اس زمین و آسمان اور اس کے اندر تمام چیزوں کو کھیل کے طور پر نہیں بنایا بلکہ دنیا کو ایک دارالامتحان کے طور پر قائم کیا اور جو کچھ بھی لوگوں کو دیا گیا وہ چند روزہ زندگی کا سامان ہے تاکہ بندے حریص نہ ہوں اور مضر پیشے اختیار نہ کریں کیونکہ باری تعالیٰ نے ان پیشوں کو حرام قرار دیا ہے لازم ہے کہ مدتوں کے منصوبے نہ بنائے جائیں۔ موت کو یاد رکھا جائے اور اللہ کی اطاعت کو اپنے اوپر لازم کیا جائے۔

چھوٹا منہ بڑی بات (قند مکرر)

(قدرت اللہ شہابؒ)

حسن خَلق و حسن خُلق

ہر انسان جسم اور روح سے مرکب ہے۔ اعضاء بدنیہ کے متناسب اور سڈول ہونے کا نام حسن الخَلق (خوبصورتی) ہے۔

روحانی سطح پر قوائے نفسانیہ کے معتدل، متوسط اور متوازن ہونے کا نام حسن الخُلق یعنی خوب سیرتی ہے۔ روح کی باطنی ترکیب جن قوتوں اور کیفیتوں سے قائم ہوتی ہے۔ ان میں چار قوتیں بنیادی درجہ رکھتی ہیں۔ قوت علم، قوت غضبیہ، قوت شہوت اور قوت عقل۔ ان قوائے نفسانیہ میں اعتدال، توازن اور میانہ روی کے زائل یا کم و بیش ہونے سے بدخلقی اور بدسیرتی پیدا ہوتی ہے۔ اگر روح کے یہ چاروں اجزاء اعتدال اور میانہ روی پر قائم ہوں تب خُلق حسن ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کو حُسن سیرت مرغوب ہے اور نفس کی اصلاح اور آراستگی کا بندوں کو حکم دیا گیا ہے۔ شریعت کے احکام کا بھی یہی مقصد ہے۔ قرآن مجید کی ساری تعلیم کا یہی خلاصہ ہے کہ قوائے باطنیہ کو پاکیزہ، معتدل اور حسین بنا کر خدا کے حضور میں حاضر ہو۔ نفس مطمئنہ کا بھی یہی مفہوم ہے۔

قوت غضبیہ کے اعتدال کا نام شجاعت ہے جس کا ثمرہ جود و سخا، ہمت و دلیری، بردباری، استقلال، صبر اور وقار، عاقبت بینی، نرمی و ملائمت اور غصہ کے ضبط کرنے کی طاقت ہے۔ جب قوت غضبیہ حد سے بڑھ جائے تو اس کا نام تہوّر ہے۔ جس کی بدولت شیخی مارنا، غصہ سے بھڑک اٹھنا، انجام نہ سوچ کر ندامت اٹھانا، تکبر کرنا، خود پسندی اور اپنے کو اچھا سمجھنا پیدا ہوتا ہے۔ جب حد اعتدال سے گھٹتی ہے تو اس کی وجہ سے بے غیرتی و کاہلی، خساست و کم ہمتی،

چھچھورا پن، بزدلی اور ذلت اور رسوائی کو گوارا کرنا لاحق ہوجاتا ہے۔

قوت شہوت کے اعتدال کا نام عفت ہے جس کے ثمرات حیا و پارسائی، رضا اور قناعت، خوف خدا اور مخلوق کے ساتھ احسان وسلوک ہیں۔ جب قوت شہوانیہ اعتدال چھوڑ کر کم یا زیادہ ہوتی ہے تو حرص ولالچ، خوشامد وچاپلوسی، عاجز مخلوق پر رعب اور دبدبہ ڈالنا، غرباء کو حقارت کی نظر سے دیکھنا، بے حیائی، فضول خرچی، ریاء، فریب، تنگ دلی، حسد وکینہ اور بغض وعناد جیسی بری خصلتیں ظاہر ہوتی ہیں۔

عقل کا اعتدال ذکاء کہلاتا ہے۔ جس کے ثمرات ہیں فراست واصابت رائے، ناموس ولطافت کا تحفظ، حفظ مراتب، حدود شرعیہ کی حفاظت، عبدیت وعجز کا احساس، خدا شناسی، اپنے مولا کی قدر ردانی جس کی بدولت اطاعت میں محویت اور آخرت پر ترجیح ظاہر ہوتی ہے۔ جب اس میں کمی بیشی ہوتی ہے تو کند ذہنی، مکاری، جعلسازی، حماقت وحسرت، ایذا رسانی اور بے رحمی کی بری خصلتیں صادر ہوتی ہیں۔

جسمانی خوبصورتی کی طرح حسن خُلق (خوب سیرتی) کے بھی بے شمار مراتب اور رنگ ہیں۔ خلاق عالم کے نزدیک سرور کائنات ﷺ احسن الخلق خلقاً سمجھے گئے ہیں اور قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ کو وانك لعلیٰ خلق عظیم (اور بے شک آپؐ اخلاق کے اعلیٰ پیمانے پر ہیں) کا پروانہ عطا ہوا۔

جس شخص کے باطنی قویٰ کی روحانی ترکیب کو اعتدال حسن میں رہبر عالمؐ کے ساتھ جس قدر زیادہ مناسبت، مشابہت اور موافقت ہوگی اسی تناسب سے اسے قرب الٰہی، حب الٰہی اور محبوبیت کا درجہ عطا ہوگا۔ اور اسی طرح اس کے برعکس، عشق رسول ﷺ کی اس کسوٹی کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔ یہی اصل طریقت ہے اسی کا حاصل ہوجانا سچی معنوی کرامت ہے۔

جس طرح ہر مسلمان کے باطن میں نورِ باطن کی کچھ نہ کچھ شعاعیں ضرور مستور ہوتی ہیں۔ اسی طرح ہر صاحب ایمان کے دل میں حب رسول ﷺ اور احترام رسولؐ کا جذبہ بھی کسی نہ کسی حد تک یقیناً موجزن ہوتا ہے۔

حُبِّ رسول ﷺ

جب میری عمر پانچ یا چھ سال کے قریب تھی تو اس زمانے میں مجھے اسلام اور پیغمبر اسلام کے ساتھ کسی قسم کا کوئی خاص ذاتی لگاؤ نہ تھا۔ مسلمان گھرانے میں پیدا ہونے کے باعث میکانکی طور پر کلمہ جانتا تھا اور دینیات کے استاد کے خوف سے نماز کی سورتیں اور دعائیں طوطے کی طرح رٹ رکھی تھیں۔ آبادی سے دور ایک مخبوط الحواس، مجنوں صفت، مجذوب نما شخص ویرانے میں بیٹھا رہتا تھا۔ اور ہمہ وقت **الا اللّٰہ ، الا اللّٰہ** کی ضربیں لگاتا رہتا تھا۔ میں اور میرا ایک ہم عمر ہندو دوست اکثر اس کے پاس جا کر اس کا منہ چڑایا کرتے اور اسکے ذکر کی نقلیں اتارا کرتے تھے۔ میرا ہندو دوست **الا اللّٰہ** کے وزن پر مہمل، مضحکہ خیز اور کبھی کبھی فحش قافیے جوڑ کر مذاق بھی اڑایا کرتا تھا۔ مجذوب نے ہمیں بار بار ڈانٹا کہ ہم اللہ کے نام کی بے حرمتی نہ کریں لیکن ہم باز نہ آئے۔ ایک روز ہم دونوں اسی مشغلے میں مصروف تھے کہ ایک شخص ادھر سے چند نعتیہ اشعار الاپتا ہوا گزرا جس کا ایک مصرعہ یہ تھا:

محمدؐ نہ ہوتے تو دنیا نہ ہوتی

یہ سن کر میرا ہندو دوست زور زور سے ہنسنے لگا اور اس نے اسم محمدؐ کی شان میں گستاخیاں بھی کیں۔ میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، ایک پتھر اٹھایا اور اسے گھما کر ہندو کے منہ پر ایسے زور سے دے مارا کہ اس کا سامنے کا آدھا دانت ٹوٹ گیا۔

یہ حقیقت ہے کہ اس زمانے میں شعوری طور پر مجھے اللہ اور رسول اللہؐ دونوں کے ساتھ

یکساں بیگانگی تھی۔ پھر لاشعور کی وہ کونسی لہر تھی جو اللہ کے ساتھ مذاق پر تو خاموش تھی لیکن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گستاخی پر آناً فاناً جوش میں آ گئی تھی؟ یوں بھی عام مشاہدہ ہے کہ اگر کوئی ہمیں گالی دے تو غصہ آتا ہے۔ ہمارے ماں باپ کو گالی دے تو زیادہ غصہ آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے خلاف زبان طعن دراز کرے تو دل کڑھتا ہے اور گالی گلوچ تک نوبت آ سکتی ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کے خلاف بدزبانی کرے تو اکثر لوگ آپے سے باہر ہو جاتے ہیں اور کچھ لوگ تو مرنے مارنے کی بازی تک لگا بیٹھتے ہیں۔ اس میں اچھے، نیم اچھے یا برے مسلمان کی بالکل کوئی تخصیص نہیں۔ بلکہ تجربہ شاہد ہے کہ جن لوگوں نے ناموس رسول ﷺ پر اپنی جان عزیز کو قربان کر دیا ظاہری طور پر نہ تو وہ علم وفضل میں نمایاں تھے نہ زہد وتقویٰ میں ممتاز تھے۔ ایک عامی مسلمان کا شعور اور لاشعور جس شدت اور دیوانگی کے ساتھ شان رسالت کے حق میں مضطرب ہوتا ہے۔ اس کی بنیاد عقیدے سے زیادہ عقیدت پر مبنی ہے۔ خواص میں یہ عقیدت ایک جذبہ اور عوام میں ایک جنون کی صورت میں نمودار ہوتی ہے۔ یہ جذبہ یا جنون نہ تو کسی منظم تحریک کی پیداوار ہے اور نہ ہی کسی خاص برین واشنگ کا نتیجہ ہے۔ اس کے برعکس یہ تو ایک خودکار تخلیقی عمل کی طرح جنم لے کر فطرت انسانی کے ایسے نہاں خانوں میں پوشیدہ رہتا ہے جس کا بسا اوقات ہمیں خود بھی علم نہیں ہوتا۔ زیادہ نیک لوگوں میں عقیدت رسول ﷺ کی حدت پائی جاتی ہے۔ اور نسبتاً کم نیک لوگوں میں عقیدت رسولؐ میں شدت پائی جاتی ہے۔ عقیدت کی حدت اور شدت کا یہ وسیع وعریض ہمہ گیر پھیلاؤ یقیناً اس آیت کریمہ کی منہ بولتی تفسیر ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے بارے میں یہ بشارت دی ہے:" ورفعنا لك ذكرك "(ہم نے آپ کا ذکر بلند کر دیا)(پارہ ۳۰، سورۃ الم نشرح، آیت ۴)۔ ظاہری طور پر تو اس بشارت کا مظہر وہ ذکر رسولؐ ہے جو درود وسلام اور اذان اور نماز میں بار بار ہر جگہ ہر آن لازمی طور پر کیا جاتا ہے۔ لیکن باطنی طور پر اس کا کھلا مظہر

احترام رسالت کی وہ پوشیدہ حقیقت ہے جو ہر اچھے یا برے مسلمان کے لاشعور میں اسی طرح جاری وساری رہتی ہے جس طرح کہ خون اس کی رگوں میں گردش کرتا ہے۔

جس طرح اپنے ایک ہندو دوست کا آدھا دانت توڑنے کے بعد مجھے شعوری طور پر احترام رسالت کا احساس ہو گیا تھا۔ اسی طرح چند برس بعد ایک اور ہندو کی وساطت سے مجھے درود شریف کی اہمیت سے آگاہی حاصل ہوئی۔

اعزاز رسول ﷺ

ساری کائنات میں ایک اور صرف ایک ایسا عمل ہے جو اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور انسان کے درمیان یکساں طور پر مشترک ہے۔ قرآن کریم کے پارہ ۲۲ میں سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر ۵۶ کے الفاظ میں وہ عمل یہ ہے۔

"بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو تم بھی ان پر درود اور خوب سلام بھیجا کرو"

یوں تو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بہت سے احکامات نازل فرمائے ہیں جن کا بجالانا ہر اہل ایمان کا فرض ہے۔ بہت سے انبیاء کرام کی توصیفیں بھی کی ہیں اور ان کے بہت سے اعزاز و اکرام بھی بیان فرمائے ہیں۔ لیکن کسی حکم یا کسی اعزاز و اکرام میں یہ نہیں فرمایا کہ میں بھی یہ کام کرتا ہوں، تم بھی کرو۔ یہ اعزاز صرف ہمارے رسول مقبول ﷺ کے لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے درود کی نسبت اولاً اپنی طرف اور پھر اپنے فرشتوں کی طرف کر کے مسلمانوں کو خطاب کیا کہ اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں۔ اے مومنو تم بھی درود بھیجو۔ یہی ایک واحد امر ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے صرف حکم دے کر اس کی تعمیل کا مطالبہ نہیں کیا بلکہ خود اپنے ایک عمل کی مثال دے کر اس کی تقلید کی فرمائش کی ہے۔ ایک عبد کی فضیلت کا اس سے بڑھ کر کوئی اور درجہ تصور میں بھی لانا محال ہے۔

درود شریف میں صاحب درود کا اعزاز تو ہے ہی، لیکن اس میں درود پڑھنے والے کی سعادت اور اکرام بھی ہے۔ سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ درود شریف پڑھ کر ہم ان احسانات عظیم کا تھوڑا سا حق ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو اس محسن اعظم کے اپنی امت کے فرد و بشر پر ہیں۔ دوسرے یہ کہ درود شریف پڑھنے والے کو اپنی استعداد اور خلوص کے مطابق صاحب درود کی توجہ کا شرف ضرور حاصل ہوتا ہے۔ خاص طور پر ان اوصاف کی توجہ کا جنہیں قرآن شریف میں رؤف الرحیم اور رحمۃ اللعالمین کے خطاب سے نوازا گیا ہے۔ اگر چہ ہزاروں افراد ہزاروں مختلف مقامات پر ایک ہی وقت درود شریف پڑھ رہے ہوں۔ ان سب پر فرداً فرداً بیک آن صاحب درود کی توجہ کا منعکس ہونا نہ کوئی عجیب بات ہے اور نہ کوئی مشکل امر ہے۔ چراغ اگر چھوٹا ہو تو اس کی روشنی پھیلانے کے لئے اسے ایک کمرے سے اٹھا کر دوسرے کمرے میں پہنچانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن سورج کی شعاعیں ہر جگہ بیک وقت یکساں طور پر آسانی پہنچتی رہتی ہیں۔ شرط صرف اتنی ہے کہ رخ سورج کی جانب ہو۔ ماڈرن اصطلاح میں یہ ساری بات Frequency یعنی برقی لہروں کے ارتعاش کا معاملہ ہے۔ اگر انسان صحیح Wave Length (لاسلکی کی شعاعوں کے طول) کے ساتھ Tune-in (ہم آہنگ) ہو جائے تو کسی کا دل تار گھر میں استعمال ہونے والی Morse-key بن جاتا ہے۔ کسی کا دل بڑی طاقت والا شارٹ ویو ریڈیو سیٹ بن جاتا ہے۔ کسی کا دل ٹیلیویژن اور کسی کا رنگین ٹیلیویژن بن جاتا ہے۔

Wave length کی ہم آہنگی اعمال اور اطاعت سے ہوتی ہے۔ اور ٹرانسمیٹر کے ساتھ صحیح مرکز کا کنکشن صرف درود شریف کے ذریعہ قائم ہوتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ حقیقت محمدیہ کا اصلی راز حقیقت آدمیہ ہی میں مضمر ہے۔ باطن کی اصطلاحات میں وجود کے تین مرتبے متعین کیے جاتے ہیں۔ احدیت، وحدت اور واحدیت۔ احدیت تو غیب الغیب، باطن محض یعنی ذات الٰہی کو

کہتے ہیں ۔وحدت صفات اجمالیہ کا نام ہے جسے حقیقت محمدیہ کہا جاتا ہے ۔اور واحدیت صفات تفصیلیہ کا درجہ ہے جسے اعیان ثانیہ اور حقیقت آدمیہ بھی کہتے ہیں ۔یہ تینوں درجے ازلی ابدی ہیں اور ان میں آپس میں ایک دوسرے پر تقدم و تاخر بھی ہے ۔چونکہ انسان صفات حق کا مظہر ہے اور حضور رسول مقبول ﷺ ان سب میں مظہریت میں اکمل و اعلیٰ ہیں، اس لئے درجہ صفات اجمالی یعنی حقیقت محمدیہ درجہ صفات تفصیلی یعنی حقیقت آدم سے مقدم ہے ۔درخت کی غایت مقصود پھل ہے ۔ انسانیت کی غایت مقصود تکمیل انسانیت ہے ۔جس طرح پھل کے وجود ازلی کو درخت کے وجود جسمی پر تقدم حاصل ہے، بالکل اسی طرح حقیقت محمدیہ کی صفت ازلی و اجمالی کو وجود آدم پر تقدم اور تفضّل حاصل ہے ۔اس باریک نکتے کو اس سے زیادہ بیان کرنا میرے بس کا روگ نہیں کیونکہ یہ نہ علم کا مسئلہ ہے اور نہ علم الیقین کا ۔اس کی مزید تشریح تو وہی روشن ضمیر حضرات کر سکتے ہیں جنہیں عین الیقین اور حق الیقین کی نعمت حاصل ہے، میرے جیسے کورے باطن آدمی کے نزدیک تو بس نجات کے لئے اتنا یقین ہی کافی ہے ۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

بعض لوگ دریافت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا کرنے سے پہلے اور آخر میں درود شریف پڑھنا کیوں لازمی ہے؟ دراصل ایسا کرنا لازمی تو بالکل نہیں، البتہ سودمند ضرور ثابت ہوتا ہے ۔اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جس طرح بھی دعا کی جائے وہ پہنچ تو ضرور جاتی ہے لیکن دنیاوی اصطلاح میں درود شریف کی مثال شاہی ڈسپیچ بکس Despatch Box کی سی ہے ۔ جو دعا اس ڈسپیچ بکس میں بند ہو کر اللہ تعالیٰ کی دربار میں پہنچے، اس کی جانب خصوصی اور فوری توجہ کا منعطف ہونا زیادہ قرین قیاس ہے ۔درود شریف کئی طرح کے رائج ہیں لیکن دعاؤں کے اول و آخر نماز والا درود شریف پڑھ لینا ہی کافی ہے ۔

دعا کے بارے میں مجھے یہ کامل یقین ہے کہ خلوص دل سے نکلی ہوئی دعا ہمیشہ قبول ہوتی ہے۔یہ الگ بات ہے کہ قبولیت انسان کی مرضی کے مطابق ہو یا اللہ کی رضا کے مطابق جو خوش قسمت لوگ اپنی خواہشات اور مرضی کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے تابع رکھنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں ان کے نزدیک دونوں صورتیں برابر ہوتی ہیں۔اگر ان کی دعا ان کی اپنی خواہش کے مطابق پوری ہوجائے۔تو وہ اس نعمت پر سجدہ شکر بجالاتے ہیں اور اگر ان کی خواہش کے مطابق پوری نہ ہو تو وہ اسے بھی اللہ کی رضا کے مطابق قبولیت ہی سمجھتے ہیں اور اس کے سامنے بصد خوشی سر تسلیم خم کرتے ہیں۔عبدیت کی یہ شان اگر مستحکم ہو کر ترقی پاتی رہے تو رفتہ رفتہ انسان کی رسائی کسی حد تک مقام مرادیت تک بھی ممکن ہوسکتی ہے۔اس مقام کی ارفع ترین بلندی پر حضرت محمدﷺ فائز تھے۔قرآن شریف میں اس مقام کا ذکر ان الفاظ میں آیا ہے:

"ہم آپ کے منہ کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا دیکھ رہے ہیں۔اس لئے ہم آپ کو اسی قبلہ کی طرف متوجہ کردیں گے جس کے لئے آپ کی مرضی ہے"(پارہ۲،سورۃ البقرہ،آیت:۱۴۴)

افضل الدُعا

سب سے افضل اور اکمل ترین دعا سورۃ فاتحہ ہے۔جو انسان کی دنیاوی زندگی اور آخرت کے تمام ظاہری اور باطنی احوال کا بے مثال فصاحت و بلاغت اور اختصار کے ساتھ پورا پورا احاطہ کرتی ہے۔یہ سورۃ ہر نماز کی ہر رکعت میں لازمی طور پر پڑھی جاتی ہے لیکن انسان غرض مندی اور احتیاج کا پتلا ہے اسے قدم قدم پر طرح طرح کی ضروریات اور حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے جن سے نپٹنے کے لئے اپنی کوشش کے علاوہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا کرنے کی حاجت بھی ضرور ابھرتی ہے۔

دُعا سے زیادہ کوئی وظیفہ موثر نہیں۔وظیفوں کا سہارا لے کر کچھ لوگ خدا سے دعا مانگنا ہی

چھوڑ دیتے ہیں۔اس سے بندوں کا تعلق حق تعالیٰ سے بہت ہی ضعیف ہوجاتا ہے۔ایک اور بہت بڑی خرابی یہ ہے کہ اگر وظیفہ سے کام نہ ہوا تو پھر آیات الٰہیہ سے بدگمانی اور بدعقیدگی پیدا ہوجاتی ہے۔یہ سب جاہل عاملوں کی بدولت ہورہا ہے۔ان کے ہاں ہر کام کے لئے وظائف ہی کی تعلیم ہوتی ہے۔بتلاتے وقت ایسے انداز سے کہتے ہیں اور ایسا اطمینان دلاتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام اسی طرح ہو جائیگا۔اگر تقدیر سے اس کے خلاف ہوا تو اس پڑھنے والے کے ایمان کے لالے پڑ جاتے ہیں۔وہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ آیات الٰہیہ میں بھی کوئی اثر نہیں۔

دوسری خرابی یہ ہے کہ اکثر لوگ وظیفے تو بڑی آسانی سے بن جاتے ہیں لیکن اپنے اصل فرائض یعنی نماز،روزہ،زکوٰۃ اور اخلاق حسنہ کے دیگر لوازمات کی پابندی اختیار کرنے سے غافل رہتے ہیں۔یہ ایسا ہی ہے جیسے موٹر کار میں پیٹرول ڈالے بغیر اسے چلانے کی کوشش کی جائے یا جیسے جھاڑ جھنکار صاف کئے بغیر اور ہل چلائے بغیر بنجر زمین میں گندم کے بیج بکھیر دیئے جائیں۔یہ تو ممکن ہے کہ خال خال بیج پھوٹ کر کہیں کہیں گندم کے چھوٹے چھوٹے پودے اگ آئیں لیکن ان میں گندم کے خوشے نہ لگے ہوں گے۔اگر اتفاق سے کسی میں ہوئے بھی تو ناقص اور ناکارہ ہوں گے۔یہی حال ان وظائف کے نتائج کا ہے جو دوسرے فرائض اور واجبات کو پابندی سے اختیار کئے بغیر پڑھے جاتے ہیں۔

سورۃ فاتحہ کے علاوہ جو دعائیں قرآن شریف میں نازل ہوئی ہیں ان کا اپنا ایک خاص مقام ہے۔ ان کی مثال اس طرح ہے جیسے حاکم خود کسی سائل کو عرضی کا مضمون بنا کر دے دے کہ اگر ان الفاظ میں درخواست پیش کرو گے تو فوراً قبول کئے جانے کا زیادہ امکان ہے۔

سلاد کی افادیت و اھمیت

(ماجد محمود توحیدی)

اللہ تعالٰی نے سبزیوں کی شکل میں ہمیں بہت سی نعمتوں سے نوازا ہے ان میں سلاد بھی شامل ہے جو صحت کے لیے بہت فائدہ مند ہے۔ سلاد گاجر، مولی، کھیرا، ٹماٹر اور سلاد کے پتوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس میں شلجم اور ککڑی بھی شامل ہے۔ عام طور پر سلاد کھیرا، ٹماٹر، پیاز اور سلاد کے پتوں سے بنایا جاتا ہے۔ سلاد میں لحمیات (پروٹینز) حیاتین (وٹامنز) اور معدنیات (منرلز) ہوتی ہیں جو اچھی صحت کے لیے بہت ضروری ہیں۔ تازہ سبزیاں غذائیت اور حیاتین سے بھرپور ہوتی ہیں۔ سبزیوں کو اگر سلاد کی شکل میں کھایا جائے تو زیادہ مفید ہیں۔ اس لیے کہ پکی ہوئی سبزیوں کی نسبت کچی سبزیاں زیادہ فائدہ پہنچاتی ہیں۔ سلاد کھانے سے آپ بہت سی بیماریوں سے محفوظ رہتے ہیں۔ کھانے کے ساتھ روزانہ سلاد ضرور کھائیں۔ بعض افراد کو وقت بے وقت بھوک ستاتی ہے۔ ایسی صورت حال میں اگر وہ سلاد کھائیں تو نہ صرف ان کا پیٹ بھر جائے گا بلکہ صحت مند بھی رہیں گے۔ سلاد کھانے سے وزن میں اضافہ نہیں ہوتا۔ یہ حیاتین کی کمی کو دور کرتا ہے۔ جو افراد اپنا وزن کم کرنا چاہتے ہیں انہیں چاہیے کہ وہ کھانا کم اور سلاد زیادہ کھائیں خصوصاً دوپہر کے کھانے کی جگہ سلاد کو بطور meal استعمال شروع کریں۔ تازہ کٹے ہوئے سلاد کے اوپر بطور ڈریسنگ زیتون کے تیل کے دو چمچ ڈال لیے جائیں تو اس کی افادیت اور بڑھ جاتی ہے۔

جدید تحقیق کے مطابق تازہ کچی سبزیاں خاص طور پر کو بھی زیادہ کھانا چاہیے کیونکہ اس میں صحت بخش اجزاء زیادہ ہوتے ہیں۔ چکنائی سے پاک سلاد جسم کو توانا رکھتا ہے۔ سلاد میں ریشہ، فولاد اور کیلشیم کی اچھی خاصی مقدار ہوتی ہے۔ تازہ سبزیوں سے بنا ہوا سلاد دل کی تکلیف کو کم کرتا ہے اور بلڈ پریشر قابو میں رکھتا ہے۔ سلاد ایک ایسی ہلکی پھلکی غذا ہے جو جسم کو توانائی اور غذائیت فراہم کرتی ہے۔

سلاد کے علاوہ ہمیں پھل بھی کھانے چاہییں ۔روزانہ کوئی ایک پھل ضرور کھائیں ۔ روزانہ سبزیاں اور پھل کھانے سے ہم شوگر، اور کینسر کے خطرات سے بچے رہتے ہیں ۔غذا کے ماہرین کہتے ہیں کہ سبزیوں میں گہرے رنگ کی سبزیاں صحت کے لیے زیادہ مفید ہوتی ہیں ۔ اس لیے ہمیں روزانہ گہرے رنگ کی کوئی ایک سبزی ضرور کھانی چاہیے۔

شوگر کے مریض گہرے رنگ کی سبزیوں کی مدد سے حرارے، (کیلریز) بلڈ پریشر اور خون میں شکر کی مقدار کو کم کر سکتے ہیں ۔ان سبزیوں میں ایسے اجزا زیادہ مقدار میں ہوتے ہیں جو بیماریوں سے بچاتے ہیں ۔بہتر ہو گا کہ ان سبزیوں کو کچا کھایا جائے تا کہ زیادہ سے زیادہ فائدے حاصل کیے جا سکیں ۔گاجر، کھیرا، ٹماٹر، ککڑی، مولی، شلجم اور اس کے پتے، بند گوبھی، سلاد کے پتے، ہری پیاز، اور ہری مرچ کچی کھانا زیادہ مفید ہے۔

دعائے مغفرت

ملتان سے بھائی حاجی محمد رفیق کی والدہ صاحبہ

گوجرانوالہ سے بھائی شاہد محمود (ملازم CMH) کی والدہ صاحبہ

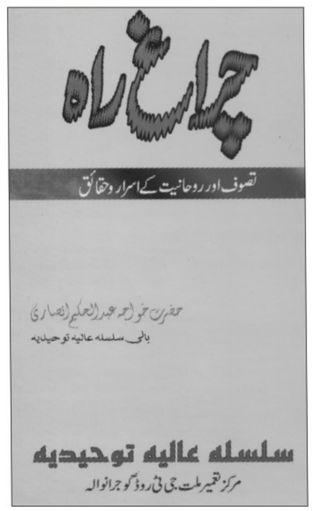
گوجرانوالہ سے بھائی بشیر بٹ کا بیٹا عرفان بشیر اور بھانجا

بقضائے الٰہی وفات پا گئے ہیں (اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّـا اِلَيْهِ رَاجِعونَ)

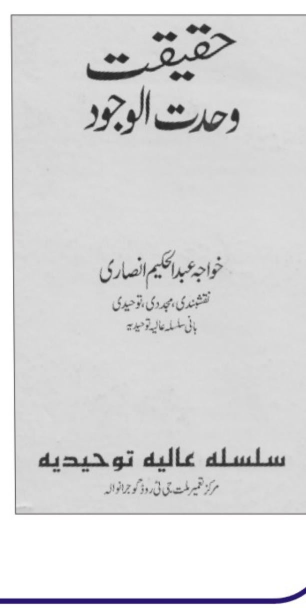
اللہ تعالٰی ان کی مغفرت فرمائے۔

برادران مرحومین کی مغفرت اور بلندی درجات کیلئے دعا فرمائیں

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف



کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات ،مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔زوال اُمت میں اُمراء ،علماء،صوفیاء کا کردار۔علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوّف کے انسانی زندگی پر اثرات۔سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔

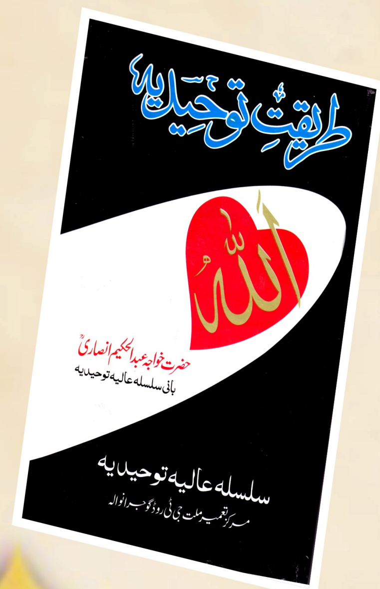


وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔مصنّفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدات کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کر دیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقاء اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریۂ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظّام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔

مکتبہ توحیدیہ کی مطبوعات



قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات، اسلامی تصوّف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار، ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق و آداب کے اسرار و رموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔



یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمّل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد، اذکار اور اعمال و اشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبّت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔

Reg: CPL - 01
Website www.tauheediyah.com